جنوری ۱۹۹۴

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

○ اسلام اور سماجی انصاف ○ پاکستان میں سماجی انصاف
کا اولین تقاضا: ایک نیا اور منصفانہ بندوبست اراضی
امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار ا

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی پاکستان کے تحت سال 1994ء کے لئے

علاقائی اجتماعات و تربیت گاہوں کا شیڈول

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

علاقائی اجتماعات	مبتدی ، ملتزم تربیت گاہ	مقام
○ 14 تا 16 جنوری	17 تا 20 جنوری	کراچی
○ 15 تا 17 اپریل	18 تا 21 اپریل	ملتان
○ 27 تا 29 مئی	30 تا 2 جون	فیصل آباد
○ 12 تا 14 اگست	15 تا 18 اگست	راولپنڈی
○ 26 تا 28 اگست	29 اگست تا یکم ستمبر	پشاور
○ 9 تا 11 ستمبر	12 تا 15 ستمبر	لاہور
○ 23 تا 25 ستمبر	26 تا 29 ستمبر	گوجرانوالہ

سالانہ اجتماع 1994ء

21، 22، 23 اکتوبر

دارالکتب
قرآن اکیڈمی سرائیکی

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

30/12/3

جلد: ۴۳
شمارہ: ۱
رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
جنوری ۱۹۹۴ء
فی شمارہ ۷/-
سالانہ زرتعاون ۷۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

سالانہ زرتعاون برائے بیرونی ممالک

برائے سعودی عرب، کویت، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات اور بھارت	۴۵ سعودی ریال یا ۱۲ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک جاپان وغیرہ۔	۱۶ امریکی ڈالر
شمالی وجنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔	۲۰ امریکی ڈالر
ایران، عراق، اومان، مسقط، ترکی، شام، اردن، بنگلہ دیش، مصر	۹ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱۔ داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشر: ناظم مکتبہ، مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

☆ عرض احوال ——— ۳

حافظ عاکف سعید

☆ الہدیٰ (قسط:۸۹) ——— ۵

سیرت مطہرہ میں صبر و مصابرت کے مختلف ادوار (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ تفکر و تدبر ——— ۱۷

○ اسلام اور سماجی انصاف

○ سماجی انصاف کا اولین تقاضا: ایک نیا اور منصفانہ بندوبست اراضی

☆ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر انقلاب ——— ۳۶

محبوب الحق عاجز

☆ رفتار کار ——— ۵۱

○ امیر تنظیم اسلامی حلقہ سندھ و بلوچستان کا ۹ روزہ دورۂ سندھ

○ دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام (فیروز والہ)

The Role of Judiciary and the Objectives Resolution

By Sardar Sher Alam Khan

علاقائی اجتماع

برائے رفقاء تنظیم اسلامی پاکستان حلقہ سندھ و بلوچستان

از ۱۴ تا ۱۶ جنوری ۹۴ء

مقام: قرآن اکیڈمی کراچی، ڈی ایم ۵۵، خیابان راحت، درخشاں فیز ۶، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی

پروگرام: روزانہ صبح ۹ بجے تا ایک بجے دوپہر اور بعد نماز عصر تا بعد نماز عشاء

○ ۱۵ جنوری صبح ۹ تا ایک بجے دوپہر **توسیعی مشاورت** کا اجلاس ہوگا۔

○ علاقائی اجتماع میں حلقہ سندھ و بلوچستان کے تمام رفقاء کی شرکت لازمی ہوگی۔

نوٹ: علاقائی اجتماع کے بعد اسی مقام پر ۱۷ تا ۲۰ جنوری مبتدی اور ملتزم رفقاء کے لئے الگ الگ تربیت گاہیں منعقد ہوں گی۔

0/16/36

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ احوال

تحریک خلافت پاکستان کے قیام کا فیصلہ ۱۹۹۱ء کے نصفِ آخر میں ہوا تھا۔ تحریک کے پیغام کو عام کرنے کے لئے پہلا باقاعدہ جلسہ عام اکتوبر ۹۱ء میں فیصل آباد کے دھوبی گھاٹ گراؤنڈ میں ہوا جہاں امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت نے پہلی بار نظام خلافت کے خدوخال اور اس کی برکات کو عوامی جلسہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ اور پھر جلسہ ہائے عام کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور پاکستان کے قریباً ہر بڑے شہر میں خلافت کی منادی کر دی گئی۔ لوگوں کے سامنے یہ بات وضاحت سے رکھی گئی کہ نظام خلافت کے قیام کا مطلب ہے اسلام کے نظام عدل اجتماعی کا قیام۔ اور اس کا ماڈل وہ عادلانہ اور منصفانہ نظام ہے جس کی جھلک چشم فلک نے دور خلافت راشدہ کی صورت میں دیکھی تھی۔ اور یہ کہ نہ تو جمہوری نظام ہمارے دکھوں کا مداوا بن سکتا ہے اور نہ کوئی فوجی آمریت ہماری ہچکولے کھاتی قومی و ملی کشتی کو مسائل کے گرداب سے نکال سکتی ہے۔ ہم بحیثیت قوم ہر قسم کا تجربہ کر کے دیکھ چکے اور ہر طرح کے دھکے کھا چکے ہیں لیکن ہر جانب سے مایوسی اور دل شکستگی ہی ہمارے حصہ میں آئی ہے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل اگر کسی نظام میں ہے اور ہمارے جملہ دکھوں کا مداوا اگر کوئی نظام بن سکتا ہے تو وہ صرف اور صرف نظام خلافت ہے۔ اور یہ کہ قرآنی اشاروں اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے پورے کرۂ ارضی پر اللہ کا دین قائم ہو کر رہے گا' یہ چمن ارضی نغمہ توحید سے معمور ہو گا' خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا عالمی سطح پر قیام لازماً ہو کر رہے گا۔ لیکن یہ نظام محض خوش نما آرزوؤں اور نیک تمناؤں کے ذریعے قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اسی طرح پیہم محنت اور جدوجہد کرنی ہو گی جیسی کہ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی تھی اور اسی طرح اپنے جان و مال کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہو گا جیسے صحابہؓ نے کیا تھا۔ ع کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا!..... چنانچہ اس جدوجہد کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ پہلے اپنے وجود پر اللہ کے دین کو نافذ کیا جائے اور پھر آنحضور ﷺ کے انقلابی منہج کے مطابق مل جل کر نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد کی جائے۔

یہ گویا وہی دعوت ہے جو تنظیم اسلامی گزشتہ پندرہ سولہ برسوں سے دیتی چلی آ رہی تھی۔ فرق صرف عنوان کا ہے۔ خلافت کے عنوان کا فائدہ یہ ہے کہ اس کا ایک بہت حد تک واضح تصور مسلمانوں کے ذہن میں موجود ہے' صرف اسے اجاگر کرنے اور بعض غلط فہمیوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے' پھر یہ کہ یہ قرآن و حدیث کی اصطلاح ہے جس کی تاریخی حیثیت بھی مسلّم ہے۔ یہ محسوس کیا گیا کہ نظام خلافت کے حوالے سے تنظیم اسلامی کی دعوت وسیع تر حلقے میں پہنچائی جا سکتی ہے۔ چنانچہ پچھلے سال جب تحریک خلافت پاکستان کی باقاعدہ رجسٹریشن کروالی گئی اور اس کے اہداف و

مقاصد کا تعین کر لیا گیا کہ یہ ادارہ در حقیقت نظام خلافت کے خد و خال اور اس کی برکات سے عوام کو آگاہ کرنے' ان میں نظام خلافت کے قیام کے حوالے سے اپنی دینی ذمہ داریوں کا شعور اجاگر کرنے اور اس کے لئے عملی جدوجہد پر آمادہ کرنے کے لئے تشکیل دیا گیا ہے' تو ساتھ ہی یہ بات بھی طے پا گئی کہ تحریک خلافت دراصل تنظیم اسلامی کے دعوتی ونگ کی حیثیت رکھتی ہے۔

گزشتہ دو ماہ کے دوران خلافت کے پیغام کو عام کرنے کے لئے خطبات خلافت کے عنوان سے پاکستان کے مختلف شہروں میں نہایت جامع اور بھرپور پروگرام منعقد ہوئے ہیں۔ دسمبر کا مہینہ اس اعتبار سے امتیازی مقام کا حامل ہے کہ اس ایک ماہ کے دوران پاکستان کے تین بڑے شہروں میں خطبات خلافت کا انعقاد ہوا۔ گویا امیر تنظیم کے لئے یہ مہینہ بے پناہ مصروفیت اور مشقت کا مہینہ تھا۔ ۶ تا ۸ دسمبر راولپنڈی میں' پھر ۱۳ تا ۱۵ دسمبر پشاور میں سہ روزہ خطبات خلافت کے بھرپور پروگرام ہوئے۔ آخر میں سوال و جواب کا سیشن ان خطبات کا مستقل جزو رہا جس میں لوگ دلچسپی کے ساتھ شریک ہوتے رہے۔ اس سلسلے کا تیسرا پروگرام ۲۰ تا ۲۴ دسمبر ٹاؤن ہال لاہور میں منعقد ہوا جو بعض اعتبارات سے سب سے زیادہ کامیاب اور بھرپور رہا۔ ٹاؤن ہال میں جسے اب جناح ہال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے' آج سے قریباً سترہ اٹھارہ سال قبل مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن کانفرنسوں کا انعقاد لاہور کی سماجی زندگی میں ایک خوشگوار یادگار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حالیہ خطبات خلافت سے ان کانفرنسوں کی یاد تازہ ہو گئی۔ اس پروگرام کی جانب لوگوں کا رجوع نہایت حوصلہ افزا اور ان کی دلچسپی دیدنی تھی۔ نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد نہایت اہتمام سے اس چار روزہ پروگرام میں شریک ہوتی رہی۔ ہال تو اپنی تنگ دامانی کا شاکی تھا ہی اطراف کے برآمدے بھی شرکاء کی کثرت کے باعث تنگ پڑتے نظر آتے تھے۔ ایک ہی مقرر کو اڑھائی اڑھائی گھنٹے کی نشست میں چار دن مسلسل سننا اور دلچسپی کا برقرار رہنا نہایت غیر معمولی بات ہے۔ بحمد اللہ یہ پروگرام توقع سے بڑھ کر کامیاب رہا۔ امید ہے کہ تحریک و تنظیم دونوں کے لئے یہ خطبات خلافت مہمیز کا کام کریں گے۔ (لاہور کے خطبات خلافت کی مفصل رپورٹ "ندائے خلافت" کے آئندہ شمارے میں شائع کر دی جائے گی۔ ان شاء اللہ)

☆ ☆ ☆

میثاق کے زیر نظر شمارے میں ایک مضمون بزبان انگریزی بھی شائع کیا گیا ہے۔ یہ بلاشبہ ایک غیر معمولی بات ہے لیکن ہمارے نزدیک محترم سردار شیر عالم خان ایڈووکیٹ کا یہ مضمون واقعتاً غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ دستور پاکستان میں شامل قرار داد مقاصد کے حوالے سے عدلیہ کے کردار کے بارے میں فاضل مقالہ نگار نے جو نکات اٹھائے ہیں وہ نہایت قابل توجہ ہیں۔ قانون کے شعبے سے دلچسپی رکھنے والے احباب کے لئے یہ مضمون ایک نہایت قیمتی دستاویز کا درجہ رکھتا ہے۔ زیر نظر شمارے میں اس وقیع مضمون کی پہلی قسط شامل ہے۔ ○○

30/16/36
لائبریری
قرآن اکیڈمی کراچی

الہدیٰ قسط: ۸۹

سیرتِ مطہرہ میں صبر و مصابرت کے مختلف ادوار

(مباحثِ صبر و مصابرت' درس ہفتم)

(۲)

نصرتِ الٰہی کا ظہور

طائف سے واپسی کے بعد سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک ڈھائی تین سال کا عرصہ ہماری اس وقت کی گفتگو کے لحاظ سے دو اعتبارات سے قابل توجہ ہے۔ ایک یہ کہ نصرتِ خداوندی کا ظہور اس شان کے ساتھ ہوتا ہے کہ سن گیارہ میں مدینہ کے چھ افراد نبی اکرم ﷺ پر ایمان لے آتے ہیں۔ اس کا ذکر اس سلسلۂ درس میں پہلے بھی کسی موقع پر ہو چکا ہے۔ چشمِ تصور سے دیکھئے! حج کا موسم ہے' مختلف جگہوں سے آئے ہوئے قافلے مختلف وادیوں میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں' اللہ کا رسول ﷺ اللہ کے پیغام کو عام کرنے اور مخلوقِ خدا کو راہ راست پر لانے کی شدید آرزو دل میں لئے ایک وادی میں سے گزر رہا ہے۔ ایک جگہ چھ افراد ملتے ہیں ان کے سامنے آپؐ اپنی دعوت پیش کرتے ہیں' وہ چھ افراد یثرب کی بستی سے آئے ہیں' آپؐ کی بات سن کے وہ کنکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں' آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ یہودی جو دعویٰ کرتے تھے کہ ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے شاید یہ وہی نبی ہے۔ آؤ کہ ہم ان پر ایمان میں سبقت کر لیں' مبادا یہودی ہم سے آگے بڑھیں اور وہ پہلے ان کی تصدیق کر دیں۔ گویا اوس اور خزرج کو یہود کے ذریعے سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ ان کے ایمان کا ذریعہ بن گئیں۔ (واضح رہے کہ یثرب میں دو قبائل اوس اور خزرج آباد تھے

جنہیں ہم وہاں کے قدیم باشندے قرار دے سکتے ہیں جبکہ یہودیوں کے بھی تین قبائل مدینے کے قرب و جوار میں آکر آباد ہو گئے تھے) اگلے سال سن بارہ میں بارہ افراد ایمان لے آئے اور انہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ یہ بیعتِ عقبۂ اولیٰ ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اپنا کوئی نمائندہ ہمیں دیجئے جو ہمیں قرآن کی تعلیم دے۔ سورۃ الجمعہ کا درس ذہن میں لائیے' قرآن حکیم ہی حضور ﷺ کی دعوت کے مرکز و محور کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ع "قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند" کے مصداق اس عظیم کام کے لئے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا انتخاب ہوتا ہے۔ یہاں ان کا شخصی تعارف کرا دینا بہت مناسب ہوگا۔ یہ ایمان اس وقت لائے جب ابھی بالکل نوعمر تھے۔ بڑے ہی ناز و نعم میں پرورش ہوئی۔ ان کے لئے دو دو سو درہم کا جوڑا شام سے تیار ہو کر آتا تھا۔ نہایت قیمتی اور معطر لباس میں ملبوس جہاں سے گزرتے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے' لوگ اشارہ کرتے کہ وہ مصعب جا رہا ہے۔ ایمان لے آئے تو گھر والوں نے سب کچھ چھین کر بالکل برہنہ حالت میں نکال باہر کیا کہ اگر تم نے آباء واجداد کے دین کو چھوڑا ہے تو اپنے آباء واجداد کی دولت اور ان کی وراثت سے بھی تمہیں کوئی حصہ نہیں مل سکتا۔ اب وہ نوجوان ہر شے سے کٹ کر محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہی مصعبؓ ہیں کہ جن کے نام قرعۂ فال نکلتا ہے اور وہ معلمِ قرآن بنا کر یثرب بھیج دیئے جاتے ہیں۔ وہاں ان کا نام "المقری" (پڑھانے والا) مشہور ہو گیا۔ انؓ کی ایک سال کی محنت کا حاصل یہ تھا کہ اگلے سال سن ۱۳ کے حج کے موقع پر ۷۵ افراد جن میں ۷۲ مرد اور ۳ عورتیں شامل تھیں محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔ بیعتِ عقبۂ ثانیہ ہو رہی ہے۔ یہی بیعت ہجرتِ مدینہ کی بنیاد بن گئی اس لئے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے یہ معاہدہ کیا کہ آپؐ ہمارے ہاں تشریف لائیے ہم آپؐ کی اسی طرح حفاظت کریں گے کہ جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ یہ معاہدہ ہوا اور ہجرتِ مدینہ کے لئے راہ ہموار ہو گئی۔ بہرحال نصرتِ خداوندی کا ظہور اس طور سے ہوا کہ کہاں طائف میں یہ حالت تھی کہ آپؐ خود وہاں تشریف لے گئے اور ہر جانب سے انتہائی مایوس کن جواب ملا اور کہاں یہ کیفیت کہ مدینہ منورہ میں آنحضور ﷺ کے قدم ابھی پہنچے بھی نہیں' آپؐ کا ایک ادنیٰ جان نثار وہاں جا کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ

سرانجام دیتا ہے اور وہاں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ایک انقلاب آ گیا' اوس اور خزرج کے سربر آوردہ لوگ ایمان لے آئے۔ اللہ نے مدینہ کو حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے لئے سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۲۶ کے مطابق ایک پناہ گاہ اور دعوتِ اسلامی کا مرکز بنا دیا۔ بہرحال ایک طرف تو نصرتِ خداوندی کا یہ ظہور ہے' اسے نگاہ میں رکھئے اور دوسری طرف مکہ اور اہلِ مکہ کے ساتھ جو ہو رہا ہے' اسے بھی ذہن میں لائیے!

مصالحت کی کوششیں۔ دامِ ہمرنگِ زمیں

اس دور میں ایسے محسوس ہوتا ہے کہ مصالحت کی ایک بھرپور کوشش ہوئی جس میں ولید بن مغیرہ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ بالکل ابتدائی سورتوں میں سورۂ مدثر اور سورۂ نون (جسے سورۃ القلم بھی کہتے ہیں) میں مشرکین میں سے جس نمائندہ کردار کا مذمت کے انداز میں ذکر ہے وہ جامہ ولید بن مغیرہ پر ہی راست آتا ہے۔ یہ شخص بالکل آغاز ہی میں دل سے قائل ہو چکا تھا کہ محمد حق پر ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ حقیقت اس پر منکشف ہو چکی تھی۔ ایک وقت وہ بھی آیا تھا کہ اس کے ساتھیوں کو یہ خطرہ ہو گیا تھا کہ اس پر محمدؐ کا جادو چل گیا ہے' لیکن مصلحتوں' مفادات اور چودھراہٹ کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں پڑی رہ گئیں اور وہ محروم رہا۔ لیکن بعد میں محسوس یہ ہوتا ہے کہ مسلسل اس کی یہ کوشش رہی کہ کوئی مصالحت ہو جائے۔ چنانچہ یہ وہ وقت ہے کہ جس کے دوران وہ مصالحانہ کوششیں پوری شدت کو پہنچ گئیں۔ اس ضمن میں چند واقعات ملتے ہیں اور آج کے درس کے لئے جن آیات کو عنوان بنایا گیا تھا ان کا مضمون بھی اسی سے متعلق ہے۔ کسی داعیٔ حق کے لئے یہ مصالحت کا دامِ ہم رنگِ زمین انتہائی خطرناک ہوتا ہے۔ یہ معاملہ وہ ہے کہ اس میں اگرچہ براہ راست مقابلے یا مخالفت کی فضا نہیں ہوتی اور بظاہر انداز میٹھا ہوتا ہے لیکن اگر کہیں اس دامِ ہم رنگِ زمین میں کوئی داعیٔ حق گرفتار ہو جائے تو لامحالہ اس کی منزل کھوٹی ہو جائے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ مکے میں جو حالات تھے ان کے پیش نظر بنائے طبع بشری آپؐ کا ان سے متاثر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ آپؐ جانتے تھے کہ اگر ان سرداروں میں سے کوئی ایمان لے آئے تو اس سے ایمان اور اسلام کے لئے راستے کھل جائیں گے اور یہ چیز اہل ایمان کے لئے بہت تقویت کا باعث ہو گی' جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے اہلِ ایمان کو دنیوی اعتبار سے سہارا ملا۔ یہی وہ بات تھی کہ جس کے تحت

جب یہ سردارانِ قریش آپؐ کے پاس مصالحانہ گفتگو کے لئے آتے تھے تو حضور ﷺ پذیرائی فرماتے اور ان کی جانب ملتفت ہوتے۔ اسی سلسلے میں وہ واقعہ پیش آیا کہ جس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ گرفت بھی ہوئی۔ ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتومؓ ایک بار ایسے وقت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب آپؐ سردارانِ قریش سے گفتگو فرما رہے تھے' حضرت عبداللہؓ بار بار حضور ﷺ کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کرتے۔ جس پر حضور ﷺ کے چہرے پر کسی قدر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے۔ سورۃ عبس کے آغاز میں اسی واقعے کا حوالہ ہے:

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی ○ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ○ وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰی ○ اَوْ یَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ○ وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی ○ وَاَمَّا مَنْ جَاءَکَ یَسْعٰی ○ وَهُوَ یَخْشٰی ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ○ کَلَّآ اِنَّهَا تَذْکِرَةٌ ○ فَمَنْ شَاءَ ذَکَرَهٗ ○

"تیوری چڑھائی اور رخ پھیر لیا کہ ان کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ اور تمہیں کیا معلوم شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا یا نصیحت اخذ کرتا تو وہ نصیحت اس کے لئے فائدہ بخش ہوتی۔ اور وہ کہ جو بے پروائی اختیار کرتا ہے تو تم اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہو

(یعنی سردارانِ قریش کی جانب آپؐ خصوصی التفات فرماتے اور آپؐ کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ ایمان لے آئیں) اور جو چل کر آتا ہے اور جس کے دل میں خشیت ہے (تزکیہ حاصل کرنے کی طلب ہے) تو تم اس سے اعراض کرتے ہو۔ ہرگز نہیں' یہ تو بس ایک یاددہانی ہے' تو جو چاہے اس نصیحت کو اخذ کرے' اس سے فائدہ اٹھالے"۔

آنحضورؐ کے لئے خصوصی ہدایات

آنحضور ﷺ کو یہاں توجہ دلائی گئی کہ اگرچہ آپؐ کی یہ خواہش اپنی جگہ بجا ہے کہ سردارانِ قریش ایمان قبول کرلیں تاکہ مسلمانوں کے لئے آسانی ہو جائے' لیکن ان کی جانب آپؐ کا یہ غیر معمولی التفات بھی مناسب نہیں ہے۔ آپؐ انہیں ایمان کی دعوت ضرور دیجئے لیکن یہ انداز اختیار نہ کیجئے' ایسی بات سورۃ کہف کی ان آیات میں آئی ہے:

وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○

کہ اے نبی' جو کتاب آپؐ پر نازل فرمائی گئی ہے اس کی تلاوت کیجئے' اسے پڑھتے رہئے۔ آپؐ کے صبرو ثبات کی اصل اساس یہ ہے۔ یہ مضمون اس سے پہلے ہمارے سابق درس سورۃ العنکبوت میں بھی آچکا ہے' جہاں اکیسویں پارے کی پہلی آیت بعینہٖ انہی الفاظ سے شروع ہوتی ہے: "اُتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ" اور جان لیجئے کہ اللہ کے فیصلوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ آپؐ کی جدوجہد کا نتیجہ کب ظاہر ہوگا' راستہ کہاں سے نکلے گا' یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ آپؐ اپنا فرضِ منصبی ادا کیجئے' آپؐ کے ذمے تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے' کسی کے پیچھے پڑ کر اپنے لئے یا اس دین کی دعوت کے لئے کسی درجے میں بھی کسی ہلکے پن کا کوئی امکان پیدا نہ ہونے دیجئے۔ "وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا" اور سمجھ لیجئے کہ آپؐ کو پناہ تو بس اللہ ہی کے ہاں ملے گی' وہی پناہ مہیا فرمائے گا' نصرت و تائید وہیں سے ملے گی' ان اسبابِ ظاہری کی جانب آپؐ ملتفت نہ ہوں' ان کی طرف زیادہ توجہ نہ فرمائیں' آپؐ کا ملجا و ماویٰ بس اللہ ہی کی ذات ہے۔

اگلی آیت میں فرمایا:

"وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ"

یہاں "لفظ" صبر' کو نوٹ کیجئے جو منتخب نصاب کے اس حصے کا اصل موضوع ہے جو ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ صبر کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ان فقراء اور ضعفاء کے ساتھ مصاحبت اختیار کیجئے جو اگرچہ کمزور اور بے حیثیت لوگ ہیں لیکن ایمان لاچکے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام سے ان کی قوم کے سرداروں نے کہا تھا: "هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ" کہ اے نوح' ہم تمہارے پاس کیا آکر بیٹھیں اور تم سے کیا بات کریں' تمہارے اردگرد تو ان لوگوں کا جمگھٹا ہوتا ہے جو ہمارے معاشرے کے گھٹیا اور کمین لوگ ہیں! ہم تمہاری بات سنیں تو کیسے' تمہارے پاس آئیں تو کیسے؟ یہی معاملہ سردارانِ قریش کا بھی تھا' وہ بھی اس بات پر معترض تھے کہ آپؐ کے آس پاس بیٹھنے والے تو اکثر وہ لوگ ہیں جو ہمارے غلاموں کے طبقے سے ہیں' ان کی موجودگی میں ہم آپؐ کی محفل میں کیسے آسکتے ہیں؟ لیکن حضور ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپؐ تو بس اپنے آپ کو انہی فقراء کے ساتھ تھام کر

رکھئے۔ یہ لوگ اگرچہ دنیاوی اعتبار سے بے حیثیت ہیں' دنیوی مال و اسباب ان کے پاس نہیں ہے لیکن یہ ایمان اور محبتِ الٰہی کی دولت سے مالا مال ہیں' یہ صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں' یہ صرف اس کی رضا کے طالب ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ آگے فرمایا: "وَ لَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" آپؐ کی نگاہیں ان درویشوں سے ہٹ کر ان سردارانِ قریش کی جانب متوجہ نہ ہونے پائیں کہ کہیں دیکھنے والے کو یہ مغالطہ ہو کہ شاید آپؐ بھی دنیا کی چمک دمک سے متاثر ہو گئے ہیں اور شاید دنیا کی ظاہری زیب و زینت اور چہل پہل سے آپؐ نے بھی کوئی تاثر قبول کر لیا۔ آیت کے اگلے ٹکڑے میں فرمایا "وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوَاهُ" کہ یہ جو مصالحت کے لئے سردارانِ قریش آپؐ کے پاس آتے ہیں' ان کے اصل باطن کو دیکھئے' یہ حق کو پہچاننے کے بعد اس سے اعراض کر رہے ہیں' ان کے کہنے میں نہ آیئے' ان کی چکنی چپڑی باتوں سے آپؐ متاثر نہ ہوں۔ یہ لوگ اپنی خواہشات کا اتباع کر رہے ہیں' ہماری یاد سے ان کے دل غافل ہیں۔ ہم نے انہیں محروم کر دیا ہے اپنی یاد کی لذت سے۔ ان کی پوری زندگی ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں۔ اور اے نبیؐ' ان سے ڈنکے کی چوٹ کہئے: "قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ" مجھے تمہاری کوئی خوشامد نہیں کرنی' مجھے چاپلوسی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تمہارے رب کی جانب سے حق ہے جو میں پیش کر رہا ہوں۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ تو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

داعیٔ حق کے لئے استغنا کا یہ انداز برقرار رکھنا ضروری ہے تاکہ لوگ اس مغالطے میں مبتلا نہ ہوں کہ اس کی کوئی ذاتی غرض اس دعوت کے ساتھ کسی درجے میں ملحق ہو گئی ہے۔ اس کے بعد غیظ و غضب کے انداز میں کفار کے انجام کا ذکر ہے۔ فرمایا: "اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا" ہم نے ان ظالموں کے لئے وہ آگ فراہم کی ہوئی ہے جو ان کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لے گی جیسے کہ قناتیں ہوتی ہیں۔ "وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ" اور اگر یہ چیخیں گے' پکاریں گے' فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو کھولتے اور پگھلے ہوئے تانبے کے مانند ہو گا کہ جس سے ان کے منہ جل کر رہ جائیں' وہ پانی ان کے چہروں کو بھون کر رکھ

دے گا۔ "بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا" وہ بہت ہی بری شے ہو گی پینے کی اور بہت ہی برا ہو گا وہ انجام جس سے یہ دوچار ہوں گے۔

"کوئی اور قرآن پیش کرو" ۔ مشرکین کا ایک مطالبہ

یہاں دیکھئے کہ اس پر فریب مصالحانہ روش کی کس شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور اس دامِ ہم رنگِ زمین میں کسی داعیٔ حق کے گرفتار ہو جانے کے امکان یا اندیشے کا کس شدومد اور کتنے اہتمام کے ساتھ سدِّباب کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ سردارانِ قریش کی جانب سے اس مرحلے پر ایک خاص بات یہ پیش کی گئی کہ اے محمد (ﷺ) ہمیں تم سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں ہے، تم سے ہمارا کوئی جھگڑا یا ذاتی نوعیت کی کوئی لڑائی نہیں ہے، لیکن یہ قرآن جو تم پیش کر رہے ہو ہمارے لئے ناقابلِ قبول ہے۔ ٹھیک ہے، کچھ باتیں اپنی منوا لو کچھ ہماری مانو، کچھ لے دے کر معاملہ کرو، یہ قرآن تو بہت RIGID (بے لچک) ہے لہٰذا یا تو کوئی اور قرآن پیش کرو جو اس سے مختلف ہو یا اسی میں کوئی تغیّر و تبدّل کر کے کچھ لچک پیدا کرو، تبھی ہمارے اور تمہارے مابین کوئی مفاہمت اور مصالحت ہو سکتی ہے۔ اس پوری صورت حال کو ذہن میں رکھئے، بظاہر اسلام کے فروغ کا کہیں کوئی امکان نظر نہیں آ رہا، ہر چہار طرف سے راستے بند نظر آتے ہیں، یہ درست ہے کہ نبوت کے گیارھویں سال مدینہ کی جانب سے ایک چھوٹی سی کھڑکی کھلتی ہے، چھ افراد حضور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، اگلے سال اس کھڑکی کا حجم کچھ بڑھ جاتا ہے، ایمان لانے والوں کی تعداد چھ سے بڑھ کر بارہ ہو جاتی ہے لیکن باقی تو ہر چہار طرف گھپ اندھیرا ہے، کہیں کسی جانب سے روشنی کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، کچھ پتہ نہیں چلتا کہ راستہ کدھر سے نکلے گا۔

ان حالات میں امکانی طور پر برنبائے طبعِ بشری یہ خیال دل میں آ سکتا ہے کہ چلو حکمتِ عملی کا تقاضا سمجھ کر ہی کچھ لے دے کر معاملہ کر لیا جائے تاکہ بات کچھ تو آگے بڑھے، اگر ہمارا موقف اسی طریقے سے بالکل دوٹوک اور بے لچک (RIGID) رہا تو پھر تو معاملہ بالکل ٹھپ ہو کر رہ جائے گا، راستہ کھلنے کے تمام امکانات مسدود ہو کر رہ جائیں گے۔ اس امکان کو سامنے رکھئے اور دیکھئے قرآن مجید اس سلسلے میں کیا ہدایات دیتا ہے۔ سورۂ یونس سے سورۂ مومنون تک کی سورتوں کا جو طویل سلسلہ ہے ان میں سے اکثر و بیشتر سورتیں اسی دور میں نازل ہوئی

ہیں۔ سورۂ یونس میں فرمایا گیا:

"وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ ھٰذَآ اَوْ بَدِّلْہُ"

کہ جب ان مشرکین کو ہماری روشن آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ کہ جو ہم سے ملاقات کی امید نہیں رکھتے' جنہیں یہ گمان ہی نہیں ہے کہ ہمارے حضور میں حاضری ہوگی' کہتے ہیں کہ اے محمد (ﷺ) اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن پیش کر دیا اس میں کچھ تبدیلی کر لو۔

قرآن کا دو ٹوک جواب

جواباً نبی اکرم ﷺ سے کہلوایا گیا: "قُلْ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ تِلْقَآیِٔ نَفْسِیْ" اے نبی کہہ دیجئے' میرے لئے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ میں اسے اپنے جی سے بدل دوں' اپنی مرضی سے اس میں کوئی ترمیم کر دوں۔ "اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ" میں تو خود پابند ہوں اس کا کہ جو مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے۔ "اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ" اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے تو خود اندیشہ ہے اپنے پروردگار کی طرف سے ایک بہت بڑے دن کی سزا کا۔

یہ مضمون قرآن حکیم میں ایک سے زائد مرتبہ آیا ہے لیکن جیسا کہ قرآن مجید میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہر مضمون کے لئے کوئی ایک مقام ایسا ہوتا ہے کہ جہاں وہ مضمون اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے' اسی طرح اس مضمون کا ذروۃ السنام یا نقطۂ کمال (CLIMAX) سورۂ بنی اسرائیل کے وسط میں ملتا ہے۔ آیت نمبر ۷۳ سے بات شروع ہوتی ہے: "وَاِنْ کَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَکَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَہٗ" اور اے نبی' یہ لوگ تو اس پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ کسی طرح آپؐ کو بچلا دیں اس چیز کی طرف سے جو ہم نے آپؐ کی جانب وحی کی ہے (یعنی قرآن حکیم)۔ تاکہ آپؐ اس کے سوا کوئی چیز اپنے پاس سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیں۔ وہ آپؐ پر پورا دباؤ ڈال رہے ہیں اور اپنی پوری قوتیں اس پر صرف کر رہے ہیں کہ کسی طرح آپؐ کو اس موقف سے ہٹا کر مصالحت پر آمادہ کر دیں کہ کچھ لے دے کر بات بن جائے اور کوئی ایسی بات اللہ کی طرف منسوب کر دی جائے کہ جس

سے ان کے مشرکانہ موقف کی بھی تائید ہوتی ہو۔ فرمایا: "وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْکَ خَلِیْلًا" اور اگر آپؐ ایسا کرلیں تو پھر تو وہ آپؐ کو اپنا دوست بنالیں گے' جھگڑے اور اختلاف کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اگلی آیت اس مضمون کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ "وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا" اور اے نبی' اگر ہم ہی نے آپؐ کو ثبات عطا نہ کر دیا ہوتا تو کچھ بعید نہ تھا کہ آپؐ ان کی جانب کچھ تھوڑا سا جھک ہی جاتے ---- یہ ہے طبعِ بشری کا وہ تقاضا اور حالات سے متاثر ہونے کا امکان جس کا واضح ذکر یہاں موجود ہے۔ جب چاروں طرف سے راستہ بند نظر آتا ہو تو امکانی طور پر یہ بات ذہن میں آ سکتی ہے کہ وقتی طور پر اگر کچھ تھوڑی بہت مصالحت کر کے کام نکال لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے' پھر جب حالات ہمارے کنٹرول میں آجائیں گے تو ہم پھر اپنے اصل موقف کی طرف رجوع کر جائیں گے۔ اسی امکان کا دروازہ بند کرنے کے لئے قرآن حکیم میں حضور ﷺ کو مختلف اسالیب میں صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ سورۃ النحل کے آخر میں فرمایا: "وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ" کہ اے نبی' صبر کیجئے اور آپؐ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے۔ آپؐ کے صبر کے لئے اصل سہارا اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ پر بھروسہ' اس پر توکل اور "تفویض الامر الی اللہ" ہی درحقیقت بندۂ مومن اور بالخصوص داعیٔ حق کے صبر کی اساس اور جڑ بنیاد ہے۔

اگلی آیت میں الفاظ کی ظاہری سختی پر ذرا نظر کیجئے' اس سختی اور درشتی کا رخ اصل میں کفار کی طرف ہے' کان ان کے کھولے جا رہے ہیں' انہیں سنایا جا رہا ہے کہ ہمارے نبیؐ سے اس بات کی توقع نہ رکھو کہ وہ تمہاری باتوں میں آکر اللہ کے کلام میں تغیر و تبدل کی جسارت کریں گے' لیکن ظاہرا خطاب یہاں حضور ﷺ کی طرف ہے: "اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَاتَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا" اے نبی' اگر بالفرض ایسا ہو جاتا تو ہم آپؐ کو دگنا مزا چکھاتے دنیا کی زندگی کے عذاب کا اور دگنا ہی موت کے عذاب کا اور آپؐ ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے۔ اس کے ساتھ ہی اگلی آیت میں اشارہ ہو رہا ہے ہجرتِ مدینہ کی طرف۔ ہمارے پچھلے سبق میں جو سورۃ العنکبوت کی بعض آیات پر مشتمل تھا' ہجرتِ حبشہ کی طرف اشارہ ان الفاظ میں تھا: "یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ

وَاسِعَةٌ فَاِيَّایَ فَاعْبُدُوْنِ" اے میرے وہ بندو جو مجھ پر ایمان لائے ہو' میری زمین کشادہ ہے پس بندگی صرف میری کرو۔

پائے مرا لنگ نیست
ملکِ خدا تنگ نیست

تمہیں ہر حال میں اللہ کی بندگی کرنی ہے اور اس کی خاطر اپنے وطن اور اپنی سرزمین کو چھوڑنا پڑے تو بے دریغ ہجرت کر جاؤ۔ یہاں سورۃ بنی اسرائیل میں بھی ہجرت کا اشارہ دے دیا: "وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا" اور یہ لوگ تو اب تُلے ہوئے ہیں اس پر کہ آپؐ کے قدم اکھاڑ دیں اس سرزمین سے۔ ان مشرکین کی پوری کوشش ہے کہ سرزمینِ مکہ سے آپؐ کو نکال باہر کریں۔ ان کے اس مذموم ارادے پر اللہ تعالیٰ نے نفیاً یہ نہیں فرمایا کہ ایسا نہیں ہو سکے گا بلکہ صرف یہ فرمایا: "وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا" کہ پھر اس صورت میں یہ لوگ بھی یہاں زیادہ رہ نہ سکیں گے' انہیں بھی یہاں پر اب زیادہ دیر تک تمکّن حاصل نہ رہے گا۔ گویا کہ اشارہ ہو گیا کہ ہجرت کا وقت آ رہا ہے لیکن آپؐ کے یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد یہ ابوجہل' یہ ابولہب' یہ ولید بن مغیرہ' یہ عقبہ ابن ابی معیط' یہ عقبہ بن ربیعہ' یہ سب لوگ زیادہ دیر اس مکے کی سرزمین میں آباد نہ رہیں گے' یہ بہت جلد کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔ فرمایا: "سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا" یہ ہمارا مستقل ضابطہ اور قاعدہ ہے ان تمام رسولوں کے بارے میں کہ جنہیں ہم نے تم سے پہلے بھیجا اور ہمارے اس ضابطے میں تم کبھی کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

پھر جس طرح سورۃ العنکبوت کے درس میں یہ بات ہمارے سامنے آئی تھی کہ اس طرح کی کٹھن اور مشکل صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مسلمان کا اصل سہارا نماز اور ذکرِ الٰہی ہے' اسی طرح یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اگلی آیت میں نماز کی تاکید ہے: "اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ" نماز قائم رکھو سورج کے ذرا ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہو جانے تک ظہر سے عشاء تک چونکہ اوپر تلے نمازیں آتی ہیں لہٰذا ان نمازوں کا ذکر اس انداز میں کیا گیا۔ ذہن میں رکھئے کہ اس سورۃ یعنی سورۂ بنی

اسرائیل میں معراج کا ذکر ہے اور معراج ہی میں پانچ نمازوں کی فرضیت کا معاملہ ہوا۔ سورج کے ذرا ڈھلنے کے بعد سے لے کر ظہر' عصر' مغرب اور عشاء کی نمازیں پے بہ پے آتی ہیں گویا کہ نماز قائم رہتی ہے۔ جو انسان نماز باجماعت کا پابند ہو وہ وقفے وقفے سے مسجد جاتا اور آتا ہے۔ چار نمازوں کا ذکر یوں ہوا اور پانچویں نماز یعنی نماز فجر کا تذکرہ ایک منفرد شان سے ہوا: "وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ "اور قرآن پڑھنا فجر کا------ چونکہ اس میں طویل قراءت کا خاص اہتمام ہوتا ہے' دیگر نمازوں کے مقابلے میں قرآن مجید کا زیادہ حصہ پڑھا جاتا ہے۔ "اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا "ساتھ ہی فرمایا' واقعہ یہ ہے کہ فجر کے وقت قرآن کی جو تلاوت ہوتی ہے اس پر موجودگی ہوتی ہے' یعنی قلب بھی حاضر ہوتا ہے اور جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں' رات اور دن دونوں اوقات کے فرشتوں کا اس وقت اجتماع ہوتا ہے۔

فرض نمازوں کے ذکر کے بعد فرمایا: "وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ "اور اے نبی(ﷺ) ایک چیز آپؐ کے لئے اضافی طور پر لازم ہے۔ رات میں بھی آپؐ کھڑے رہا کریں اس قرآن کے ساتھ' قرآن کے ساتھ رات کو جاگنے اور قیام کرنے کا حکم بالکل ابتداء میں بھی آچکا تھا: "قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا" (سورۃ المزمل) یہاں گویا کہ دوبارہ اس کی تاکید ہو رہی ہے کہ آپؐ کے لئے بالخصوص یہ رات کی نماز بہت ضروری ہے۔ ساتھ ہی ایک بشارت بھی دے دی: "عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا" کہ ہو سکتا ہے کہ آپؐ کا رب آپؐ کو مقامِ محمود عطا فرمائے ----- ابھی تک سورۃ بنی اسرائیل کی جو آیات ہم نے پڑھی ہیں ان میں صرف ایک رواں ترجمہ پر ہی اکتفا کیا گیا ہے تاکہ مضمون یہاں تک پہنچ جائے کہ جہاں ہجرت کا حکم وارد ہوا ہے۔ اگلی آیت میں یہ حکم بشکلِ دعا وارد ہوا ہے۔ "وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا "اور اے نبی' اپنے رب سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب' مجھے داخل کر سچائی کا داخل کرنا اور مجھے نکال سچائی کا نکالنا اور میرے لئے خاص اپنے خزانۂ فضل سے وہ غلبۂ قوت عطا فرما جو میری پشت پناہ بنے۔ یہ اللہ کی طرف سے اس انداز میں دعا کی تلقین دراصل اس کی پیشگی قبولیت کے اعلان کے طور پر ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک بشارت ہے محمد رسول

اللہ ﷺ کو کہ اب آپؐ کی دعوت ایک دوسرے مرحلے میں داخل ہونے والی ہے۔ اب وہ دور آیا چاہتا ہے کہ جس میں وہ سرزمین کہ جو آپؐ کی دارالہجرت بننے والی ہے' وہاں آپ کو تمکن اور غلبہ و اقتدار حاصل ہو گا اور اس طرح غلبۂ دینِ حق کی راہ ہموار ہو گی۔ اور کچھ عرصے بعد بالآخر وہ صورت ہو جائے گی کہ حق کا بول بالا ہو گا اور باطل نیست و نابود ہو جائے گا۔ اس کی بشارت اگلی آیت میں موجود ہے۔ "وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" اعلان کر دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا۔ یہ تھوڑا سا وقتی غلبہ جو بظاہر باطل کو حاصل ہے اس سے انسان وقتی طور پر متأثر بھی ہو جاتا ہے اور یہ بھی درحقیقت اہلِ حق کی آزمائش کے لئے ہوتا ہے' ورنہ باطل کے لئے ثبات کہاں؟ یہ ہیں وہ مراحل کہ جن سے نبی اکرم ﷺ گزر رہے تھے۔ مکی دور کا یہ ایک اجمالی سا نقشہ رکھ دیا گیا کہ کس کس پہلو سے اور کس کس گوشے سے حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر آزمائش آئی اور کس کس اعتبار سے صبر اور مصابرت کی ضرورت پیش آئی۔ بہرحال اس مکی دور کا جو نقطۂ اختتام ہے اسے یوں سمجھئے کہ ان ساری مصالحتی کوششوں کو ان کے پیش کرنے والوں کے منہ پر مار کر ان سے دو ٹوک الفاظ میں اعلانِ براءت کیا گیا۔ اس راہ میں اگر تشدد ہوا تو اس کو پامردی سے سہا' فقر و فاقہ آیا تو اسے جھیلا' قید و بند آئی تو اسے برداشت کیا' پتھراؤ ہوا تو اس کو انگیز کیا' لالچ دیا گیا تو اس کے مقابلے میں ڈٹ کر کھڑے رہے' مصالحت کی پیشکش ہوئی تو اس کو ٹھکرایا اور آخری اعلانِ براءت ان الفاظ میں ہوا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ○ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ○ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ○ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ○ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ○

یہ اعلانِ براءت سورۂ زمر میں بہت ہی شدت کو پہنچ گیا ہے۔ یوں کہئے کہ اس کا نقطۂ عروج یہی مقام ہے: "قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ" اے نادانو' اے کم علمو' اور ناسمجھ لوگو' اے جاہلو' کیا تم مجھے یہ حکم دے رہے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کو پوجنے لگوں۔ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو تو درحقیقت تمہاری یہ کوشش اور تمہاری یہ توقع سراسر باطل ہے۔ یہ جملہ' یہ صبر' یہ تحمل اور یہ مصابرت ہی دراصل اس راہ میں درکار ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ!

اسلام اور سماجی انصاف

ڈاکٹر اسرار احمد

ایک مکمل نظامِ زندگی کی حیثیت سے اسلام کی اعلیٰ ترین قدر' اس کا آخری ہدف' اور اصل مقصود و مطلوب عدلِ اجتماعی یعنی سماجی انصاف یا سوشل جسٹس ہے جس کے تین نمایاں ترین مظاہر ہیں: (۱) سماجی اور قانونی سطح پر کامل مساوات (۲) سیاسی سطح پر حریت اور (۳) معاشی سطح پر عدل و انصاف۔ چنانچہ اسلام ایک ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں نہ معاشرتی میدان میں اونچ نیچ اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز ہو' نہ سیاسی میدان میں جبر و استبداد کا راج اور بندہ و آقا' حاکم و محکوم اور مستکبرین اور مستضعفین کی تقسیم ہو' نہ اقتصادی میدان میں انسان ظلم اور استحصال کے باعث HAVES اور HAVENOTS یعنی مترفین و محرومین میں منقسم ہوں!

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حضرات کو خیال آئے کہ اسلام کی اعلیٰ ترین قدر تو تقرب الی اللہ اور تعلق مع اللہ یعنی بندہ اور رب کے مابین خلوص و اخلاص اور باہمی محبت و ولایت کا رشتہ ہے! تو اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ واقعہ یہی ہے کہ اسلام انفرادی سطح پر بندۂ مومن کو جو بلند ترین نصب العین عطا کرتا ہے وہ رضائے الٰہی اور فلاحِ اخروی کا حصول ہے' لیکن اس حقیقت سے صرفِ نظر کر لینا بھی شدید قسم کی بے حسی اور ناانصافی ہوگی کہ جس خطۂ ارضی میں نظامِ اجتماعی ظالمانہ اور استحصالی ہو' وہاں کے لوگوں کی عظیم اکثریت کو لہو کے بیلوں اور بار برداری کے جانوروں کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور فرمانِ نبوی ﷺ "كَادَ الفقرُ اَن يكونَ كفرًا" یعنی "قریب ہے کہ فقر و احتیاج کفر کی صورت اختیار کر لیں!" اور

قولِ شاعر۔

"دنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا
تجھ سے بھی دلفریب ہیں غم روزگار کے!"

کے مصداق ان میں نہ اتنا شعور باقی رہ جاتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کی معرفت حاصل کر سکیں' نہ اتنی فرصت ہی حاصل ہوتی ہے کہ ع "بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے!" کے مصداق اسے یاد کر سکیں یا اس سے لو لگا سکیں! اس سلسلے میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل اور لوحِ قلب و ذہن پر نقش کر لینے کا مستحق ہے کہ تقسیمِ دولت کا غیر منصفانہ نظام ایک دو دھاری تلوار ہے جو معاشرے کو دونوں جانب سے کاٹتی ہے' کیونکہ اس کے نتیجے میں ایک جانب ایک محدود طبقے میں دولت کا ارتکاز ہو جاتا ہے جس سے عیاشی اور بد اخلاقی جنم لیتی ہے' اور دوسری جانب فقر و احتیاج کا دَور دورہ ہو جاتا ہے جس سے انسان ڈھور ڈنگر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں! بنا بریں خانقاہی نظام کے برعکس' جو مجاہدۂ نفس اور ریاضت و مراقبہ ہی کو مقصود و مطلوب بنا لیتا ہے' اسلام نے اپنا "ذروۂ سنام" یعنی چوٹی کا عمل جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا ہے جس کا اصل ہدف ہے: قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی اور ظلم و جبر اور استحصال اور استبداد کا خاتمہ!!

اسلام میں اس عدل اجتماعی' یا سماجی انصاف یعنی سوشل جسٹس کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس مسئلے میں قرآن حکیم کی عام تعلیمات پر مستزاد ان تصریحات کے جائزہ سے آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے جو تین بلند ترین سطحوں یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت' اور امتِ مسلمہ کے فرائضِ منصبی کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں:۔

(۱) اسلام کی اصل اساس ایمان باللہ ہے' اور ایمان باللہ اور معرفتِ الٰہی کا واحد ذریعہ اللہ کے اسماء و صفات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ کی تفصیل پر مشتمل جو حدیث امام ترمذیؒ اور امام بیہقیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک نامِ نامی اور اسمِ گرامی "العدل" بھی ہے۔ یعنی سراپا عدل

اور مجسم انصاف۔ قرآن حکیم میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کا یہ نام تو وارد نہیں ہوا' تاہم متعدد مقامات پر اس کی اس شان کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً:

(۱) وَاللّٰہُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ

"اللہ فیصلہ کرتا ہے حق کے ساتھ"۔۔(سورۃ المؤمن:۲۰)

(۱۱) وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا

"تیرے رب کی بات صدق و عدل کے جملہ معیارات کے مطابق پوری ہو چکی ہے"۔۔(سورۃ الانعام:۱۱۵)

(۱۱۱) شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ

"خود اللہ بھی گواہ ہے اور سب فرشتے اور تمام اہل علم بھی گواہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو عدل و انصاف کو قائم کرنے والا ہے"۔۔(سورۃ آل عمران:۱۸)

(۱۷) اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ○

"اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔۔(سورۃ المائدہ' سورۃ الحجرات اور سورۃ الممتحنہ)

(۲) ایمان باللہ کے بعد درجہ اور مرتبہ ہے ایمان بالرسالت یعنی بعثتِ انبیاء و رسل اور انزالِ کتاب و شریعت پر یقین کا۔ چنانچہ یہ بات بھی قرآن حکیم نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کر دی ہے کہ ان جملہ امور کا اصل مقصد یہ ہے کہ "انسان عدل و انصاف پر قائم ہوں"۔

اس اہم موضوع پر قرآن حکیم کی سب سے زیادہ "انقلابی آیت" سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ ہے جس کے بارے میں بلا خوفِ تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنے مختصر الفاظ میں اس قدر جامع اور اتنی بھرپور اور گھمبیر انقلابی عبارت کی کوئی دوسری مثال دنیا کے پورے انقلابی لٹریچر میں کہیں نہیں مل سکتی۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

اس آیۂ مبارکہ کا ترجمہ بعض تشریحی اضافوں کے ساتھ یوں ہو گا:

"یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو روشن نشانیوں (یعنی معجزات و براہین) کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ اپنی کتاب بھی نازل فرمائی اور میزان بھی' تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں' اور (جو لوگ اس میزانِ عدل کے نصب کرنے میں رکاوٹ بنیں' ان کی سرکوبی کے لئے) ہم نے لوہا اتارا جس میں (حرب و ضرب) کی شدید قوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لئے (کچھ دوسرے) فائدے بھی ہیں۔ اور (اس سے اللہ کا اصل مقصد یہ ہے) کہ اللہ (ایمان کا دعویٰ کرنے والوں کو آزمائے اور یہ) دیکھے کہ کون ہیں جو (لوہے کی حربی قوت کے استعمال کے ذریعے) مدد کرتے ہیں اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہوتے ہوئے' (ورنہ) یقیناً اللہ (خود) نہایت زور آور اور مختارِ مطلق ہے!"

اس آیۂ مبارکہ نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کر دیا ہے کہ:

اولاً۔ شریعتِ خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزانِ عدل و قسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض تولے جانے چاہئیں۔

ثانیاً۔ بعثتِ انبیاء و رسل اور نزولِ وحی و کتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل و قسط بالفعل نصب ہو اور جسے کچھ ملے اس میں تل کر ملے اور جس سے کچھ لیا جائے اس میں تول کر لیا جائے اور اگر یہ مقصد حاصل نہ ہو تو ع "گر یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں!" کے مصداق رسولوں کے ساتھ عشق و محبت کے دعوے باطل اور کتابِ الٰہی کی تلاوت و قراءت کا ذوق و شوق بے مقصد ہو جاتا ہے۔

ثالثاً۔ اس میزانِ عدل و قسط کو عملاً نصب کرنے کے ضمن میں جہاں اصل کام

دعوت و تبلیغ' وعظ و تلقین' انذار و تبشیر اور ترغیب و ترہیب سے لیا جائے گا وہاں قوت و طاقت کا استعمال بھی قطعاً غلط یا مطلقاً ناجائز نہیں' بلکہ حسبِ ضرورت نہ صرف جائز بلکہ بعض صورتوں میں فرض اور واجب ہو جاتا ہے۔

رابعاً۔ جس طرح انسان کی حیاتِ دنیوی کا اصل مقصد از روئے قرآن ابتلاء و آزمائش ہے جیسے کہ وارد ہوا سورۃ الملک کی آیت نمبر ۲ میں جس کی ترجمانی کی ہے ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال نے اپنے اس حکیمانہ شعر میں کہ ؎

"قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!"

اسی طرح انبیاء و رسل کی بعثت اور کتاب و شریعت کے نزول کا مقصد ان لوگوں کے خلوص اور صداقت کا امتحان ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان کے دعوے دار ہوں کہ آیا وہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل کو بالفعل نصب کرنے اور اسلام کے نظامِ عدل و قسط کو عملاً قائم کرنے میں تن من دھن کھپاتے حتیٰ کہ وقت آنے پر نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجاتے ہیں یا نہیں!

خامساً۔ وہ صاحبِ ایمان جو اس امتحان میں پورے اتریں اللہ کے نزدیک بلند ترین مقام و مرتبہ کے مستحق ہوں گے' یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے "مددگار" قرار پائیں گے۔

قرآن حکیم کے طالب علم جانتے ہیں کہ اس کتابِ عزیز کا ایک مستقل اصول یہ ہے کہ اس میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الحدید کی اس آیت ۲۵ کی طرح سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۷ میں بھی کتاب و میزان کا ذکر یکجا وارد ہوا ہے: "اَللّٰہُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ" یعنی "اللہ وہ ہے جس نے کتاب بھی حق کے ساتھ نازل فرمائی اور میزان بھی!" اور اس سے قبل آیت ۱۵ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ع "مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ" کے انداز میں کہلوایا گیا ہے کہ "وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ" یعنی "مجھے حکم ہوا ہے

کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں!"---اسی طرح اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نصرت کا ذکر جس انداز میں سورۃ الحدید کی اس آیت کے آخر میں آیا ہے' بالکل اسی طرح سورۃ الصف کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے۔ یعنی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ

"اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ تو حواریوں نے جواب دیا تھا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!"

مزید برآں یہ حقیقت بھی ذہن میں مستحضر کر لیجئے کہ سورۃ الصف کی مرکزی آیت وہی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت یہ بیان ہوا ہے کہ جو دینِ حق یعنی نظامِ عدل و قسط آپؐ کو دے کر بھیجا گیا ہے اسے پورے نظامِ زندگی پر بالفعل قائم کر دیں۔

(۳) نبی اکرم ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد اب قیامت تک رسالت کے مشن کی تکمیل اور فرائضِ رسالت کی ادائیگی کی ذمہ داری امتِ مسلمہ پر بحیثیتِ مجموعی عائد ہو گئی ہے۔ اس کے ضمن میں قرآن حکیم میں جہاں سورۃ الحج کی آخری آیت اور سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ میں "شہادت علی الناس" کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے' اور سورۂ آل عمران کی آیت ۱۰۴ اور ۱۱۰ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہاں سورۃ النساء کی آیت ۱۳۵ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۸ میں ذرا سی لفظی ترتیب کے فرق کے ساتھ عدل و قسط کی گواہی اور نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ کھڑے ہو جانے کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ ....

"اے اہل ایمان! پوری قوت کے ساتھ عدل وقسط کے قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو خواہ یہ گواہی تمہارے اپنے خلاف جارہی ہو!"

اور سورۃ المائدہ میں فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

"اے ایمان والو! پوری قوت کے ساتھ اللہ کے لئے کھڑے ہو جاؤ عدل وقسط کی گواہی دیتے ہوئے' اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرنے پائے کہ تم عدل سے انحراف کرو' ہر حال میں عدل سے کام لو' یہی تقویٰ سے قریب تر ہے!"

(۴) اس مضمون کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ قرآن مظلوم اور محروم طبقات کو صرف صبر ہی کی تلقین نہیں کرتا بلکہ انتقام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے۔ چنانچہ انفرادی سطح پر تو سورۃ النساء کی آیت ۱۴۸ کے یہ الفاظ کفایت کرتے ہیں کہ:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

"اللہ کو بری بات بلند آواز سے کہنا بالکل پسند نہیں' سوائے اس کے جس پر ظلم ہوا ہو!"

اور اجتماعی سطح پر یہ نہایت واشگاف الفاظ میں فرمائی گئی ہے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۳۹ میں' جہاں ایسے لوگوں کا ذکر مدح وستائش کے انداز میں کیا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝

"جن پر ظلم اور زیادتی کی جائے تو وہ اس کا بدلہ اور انتقام لیتے ہیں!"

اور پھر آیات ۴۱ اور ۴۲ میں مزید تصریح کی گئی ہے کہ:

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○
"جو کوئی انتقام لیتا ہے اس کے بعد کہ اس پر ظلم کیا گیا ہو تو ایسے لوگوں پر نہ کوئی الزام ہے نہ ملامت' الزام اور ملامت کے قابل تو وہ ہیں جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں (یعنی ان کے سماجی' سیاسی اور معاشی حقوق غصب کرتے ہیں) اور زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں (یعنی مستکبرین اور مترفین کی صورت اختیار کر لیتے ہیں) ایسے ہی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے!"

ان اختتامی الفاظ میں گویا کہ اشارہ موجود ہے کہ ان ظالموں اور مستکبرین کو آخرت میں تو سزا ملے ہی گی دنیا میں بھی نہ صرف یہ کہ ان کے ہاتھ روکنے کی بھرپور سعی ہونی چاہئے بلکہ ضرورت پیش آئے تو سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۹ میں وارد شدہ الفاظ "وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ" یعنی "اے ہوشمندو تمہارے لئے قصاص ہی میں زندگی ہے!" کے مطابق ایسے لوگوں کو بھرپور سزا دینے حتیٰ کہ ان کی سرکوبی کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جانا چاہئے!

حاصل کلام یہ ہے کہ بحیثیتِ دین' اسلام کی اعلیٰ ترین قدر سماجی اور تمدنی انصاف ہے اور اقامتِ دین یعنی اسلامی انقلاب کا اصل ہدف یہ ہے کہ اللہ کا عطا کردہ متوازن اور معتدل نظامِ عدلِ اجتماعی (سسٹم آف سوشل جسٹس) قائم کیا جائے!

آخر میں عربی زبان کے اس مقولے کے مطابق کہ "الفَضلُ مَا شَهِدَت بِهِ الاَعداءُ" یعنی "اصل فضیلت اور خوبی وہ ہے جس کا اعتراف دشمن بھی کریں!" ایک شاتمِ رسولؐ کی گواہی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری مراد ایچ جی ویلز سے ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی اور ازدواجی زندگی پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں لیکن اس نے بھی اپنے آپ کو اس عدلِ اجتماعی کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شاندار ہدیۂ تحسین پیش کرنے پر مجبور پایا۔ چنانچہ اپنی تالیف "A Concise History of the World" میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کے کچھ حصے نقل کرنے کے بعد اس نے لکھا:

"انسانی حریت' اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے تھے' چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں' لیکن اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفعل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد (ﷺ) نے"۔

(نوٹ: ایچ جی ویلز کی یہ عبارت اس کتاب کے نئے ایڈیٹروں نے تازہ ایڈیشن سے حذف کر دی ہے' لیکن بڑی لائبریریوں میں وہ پرانے ایڈیشن دستیاب ہیں جن میں یہ الفاظ موجود ہیں!)

ساتھ ہی شدید حسرت کے ساتھ یہ عرض کئے بغیر نہیں رہا جا رہا کہ معمارِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے بھی حصول پاکستان کے اصل مقصد کی وضاحت کے لئے یہی الفاظ استعمال کئے تھے کہ: "ہم پاکستان اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ عہدِ حاضر میں اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں" اور ۱۹۳۰ء کے خطبہ الٰہ آباد میں مصورِ پاکستان علامہ محمد اقبال نے بھی اپنی اس پیشینگوئی کے ساتھ کہ "ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام تقدیرِ الٰہی ہے" یہی فرمایا تھا کہ "اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے چہرۂ روشن پر جو پردے عرب ملوکیت کے دور میں پڑ گئے تھے انہیں ہٹا کر اسلام کا اصل روئے انور دنیا کو دکھا سکیں!"--- لیکن افسوس صد افسوس' کہ قیام پاکستان کے سوا چھیالیس سال بعد بھی ہنوز روزِ اول والا معاملہ ہے اور اس سمت میں کوئی پیش قدمی نہیں ہو سکی--- کاش! اے کاش!! کہ ع "کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو!" کے مصداق ملتِ اسلامیہ پاکستان اب بھی اپنے اصل ہدف کی طرف بڑھنے کا عزمِ مصمم کر لے--- آمین! وَ ما ذٰلک عَلَی اللّٰہِ بعزیز!

پاکستان میں سماجی انصاف کا اوّلین تقاضا

ایک نیا اور منصفانہ بندوبست اراضی

جیسے کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے' سماجی انصاف کا مفہوم بہت وسیع ہے اور اس کے متعدد پہلو ہیں' جن کے اپنے اپنے جداگانہ تقاضے ہیں۔

مثلاً خالص سماجی اور معاشرتی سطح پر انصاف کا اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ تمام انسانوں کو پیدائشی طور پر مساوی تسلیم کیا جائے۔ اور ان کے مابین اونچ نیچ کا کوئی فرق اور اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی امتیاز ان چیزوں کی بنیاد پر نہ ہو جو انہیں پیدائشی طور پر ملتی ہیں' لہٰذا ان کے ضمن میں کسی انتخاب و اختیار یا کسب و سعی کا سوال نہیں ہوتا' جیسے نسل' رنگ اور جنس۔ گویا انسانوں کے مابین کوئی فرق و تفاوت اور درجہ بندی صرف ان امور کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جن میں ان کے کسب و اختیار اور سعی و جہد کو دخل حاصل ہے' جیسے نظریات و عقائد' یا سیرت و کردار' یا علم و ہنر وغیرہ۔ پھر یہ درجہ بندی بھی خالص انتظامی حیثیت کی حامل ہو گی' شرفِ انسانیت کو پوری نوع انسانی کی مشترکہ اور مساویانہ متاع کی حیثیت حاصل رہے گی' اور اس اعتبار سے تمام انسان ہر صورت میں بالکل مساوی اور برابر متصور ہوں گے!

اسی طرح سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔ جیسے کہ امیر المومنین اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایران کے فاتح اور گورنر حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مکان کے آگے ڈیوڑھی بنانے اور دربان کھڑا کرنے پر سرزنش کے طور پر تحریر فرمایا تھا: "اے سعدؓ! لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا' تم نے انہیں اپنا غلام کب سے بنا لیا؟" ------ پھر اسی اصول کا ایک منطقی تقاضا یہ بھی ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ افراد کی آزادی پر صرف وہ قدغنیں اور پابندیاں عائد کی جا سکتی ہیں جو یا تو ان کے خالق اور مالک نے عائد کی ہوں'

یا ان کے طے کرنے میں ان کی اپنی رائے اور مشورے کو بھی دخل حاصل ہو۔ اور اس طرح "حق خود اختیاری" کا تقاضا پورا ہو جائے! الغرض' سیاسی سطح پر سماجی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ع "تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے!" کے مطابق انسانوں کے مابین حاکم و محکوم اور قرآن حکیم کی اصطلاح میں "مستکبرین" اور "مستضعفین" کی تقسیم و تفریق باقی نہ رہے بلکہ سیاسی اعتبار سے کامل مساوات قائم ہو جائے اور حدیثِ نبوی ﷺ کے الفاظ کے مطابق سب انسان "اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بن جائیں"۔

سماجی انصاف کے یہ دونوں پہلو جو اوپر بیان ہوئے نہایت اہم ہیں' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصل بنیادی حیثیت اور اساسی اہمیت ان ہی کو حاصل ہے۔ مزید بر آں "مساوات" کے لفظ کا صحیح اور کامل اطلاق بھی صرف ان ہی دونوں سطحوں پر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہدِ حاضر میں ان دونوں کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔ اور مشین کی ایجاد کے بعد سماجی انصاف کے ضمن میں اولین اہمیت معاشی عدل اور اقتصادی انصاف کو حاصل ہو گئی ہے۔ چنانچہ تاریخ انسانی کے موجودہ دور کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اصلاً معاشیات اور اقتصادیات کا دور ہے' اور عہدِ حاضر کا انسان فی الواقع "معاشی حیوان" بلکہ صحیح تر الفاظ میں مشین کے مانند صرف ایک "ذریعۂ پیداوار" بن کر رہ گیا ہے۔ یہاں تک کہ آج عظیم ترین سلطنتوں اور "سپرپاورز" کا درجہ رکھنے والی حکومتوں کی بلند ترین سطح کی پالیسیاں بھی بنیادی طور پر معاشی مفادات اور اقتصادی مصلحتوں ہی کی بنیاد پر طے ہوتی ہیں ----- لہٰذا عہدِ حاضر میں سماجی انصاف کا اولین اور اہم ترین تقاضا معاشی عدل اور اقتصادی انصاف ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی معاشرے میں معاشی عدل و قسط کا فقدان ہو' اور اقتصادی میدان میں ظلم اور استحصال کی بھٹی گرم ہو' اور انسان قرآن کی اصطلاح میں "مترفین" اور "محرومین" کے طبقات میں تقسیم ہو کر رہ گئے ہوں تو وہاں خواہ "حریت' اخوت اور مساوات" کے کتنے ہی راگ الاپے جائیں یا وعظ کہے جائیں' اور [illegible]

بنیاد پر جمہوریت کے کیسے ہی سوانگ رچالئے جائیں، حقیقت کے اعتبار سے وہاں کا پورا اجتماعی نظام "مراعات یافتہ طبقات کی آمریت" کی صورت اختیار کرلے گا۔ اور سماجی و معاشرتی، اور سیاسی و ریاستی انصاف کے تمام دعوے باطل اور کھوکھلے قرار پائیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ترجمانِ حقیقت علامہ اقبال مرحوم نے مغربی جمہوریت کا تجزیہ یا پوسٹ مارٹم ان تیکھے ہی نہیں تلخ الفاظ میں کیا ہے کہ۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک ترا

اور۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

اور واقعہ یہ ہے کہ یہ الفاظ نہ محض لفاظی کے مظہر ہیں نہ مبالغہ آرائی کے ----- بلکہ۔

"اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!"

کے مصداق صد فی صد حقیقت بنی اور صدق بیانی پر مبنی ہیں۔ اس لئے کہ وہاں سرمایہ دارانہ معیشت، اور سود، جوئے اور سٹے پر مبنی اقتصادی نظام نے کروڑپتی اور ارب پتی سرمایہ داروں کا ایک محدود طبقہ پیدا کردیا ہے اور ملکی سیاست ان کی زرخرید لونڈی بن کر رہ گئی ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس نے اس محدود طبقے کے مشغلے اور فٹ بال یا والی بال کے سے کھیل کی صورت اختیار کرلی ہے۔ چنانچہ یہ وہ مکروہ اور گھناؤنی حقیقت ہے جس پر "بنیادی انسانی حقوق" اور "حقوقِ شہریت" کا رنگ و روغن مل دیا گیا ہے، اور حریتِ فکر و عمل، آزادیٔ اظہارِ رائے، اور بالغ رائے دہی پر مبنی "جمہوریت" کے حسین نقش و نگار بنا دیئے گئے ہیں!۔

چنانچہ اسی گندم نمائی اور جَو فروشی کا ردّ عمل تھا جو کمیونزم کی صورت میں ظاہر

ہوا۔ لیکن چونکہ اس نے "ردِ عمل" کی فطری انتہا پسندی کے جوش میں انفرادی ملکیت کی کامل نفی کردی جس سے انسان کی حیوانی جبلّت کے ایک اہم تقاضے کی نفی ہو گئی لہٰذا وہ بہت جلد ناکام ہو کر ع "خوش درخشید ' ولے شعلہء مستعجل بود!" کی نمایاں مثال بن کر رہ گیا۔ اس لئے کہ شیخ سعدیؒ کے اس قول کے مطابق کہ ۔

"آدمی زادہ طرفہ معجون است
از فرشتہ سرشتہ وز حیوان!"

انسانی شخصیت میں جہاں ایک فرشتہ خصلت روحانی عنصر بھی شامل ہے' وہاں جملہ حیوانی جبلتوں کا حامل "حیوانِ کامل" بھی موجود ہے' جس کے کسی اساسی تقاضے کی کلی نفی فطرت سے جنگ کے مترادف ہے' جس میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں! بہرحال کمیونزم کی اس شکست کے نتیجے میں اس وقت مغربی سرمایہ دارانہ جمہوریت کا عفریت فاتحانہ انداز کی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ "نیو ورلڈ آرڈر" کی صورت میں عالمی غلبے کے ذریعے پورے عالمِ انسانی کو اپنے استحصالی جال میں جکڑنے کے لئے فیصلہ کن اقدام کے لئے پر تول رہا ہے! اور اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ بالآخر تو "جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ" کی الٰہی تقدیر اور خدائی فیصلے ہی کا ظہور ہو گا اور تمام روئے ارضی پر "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کا نظامِ عدل و قسط ہی قائم ہو گا' تاہم فی الوقت پوری دنیا میں ایسی کوئی طاقت نظر نہیں آرہی جو اس شیطانی منصوبے کی راہ میں فیصلہ کن طور پر مزاحم ہو سکے۔ لیکن چونکہ علامہ اقبال کی "اطلاع" کے مطابق تو اب سے نصف صدی قبل ہی "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کی قرارداد یہ تھی کہ ۔

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں' اسلام ہے!

لہٰذا اس کے باوجود کہ ابھی پوری زمین کے کسی ایک انچ رقبے پر بھی کہیں اسلام کا نظامِ عدل اجتماعی قائم نہیں ہو سکا' اور سماجی انصاف کا اسلامی تصور تا حال "مسلمانی در کتاب" کے مصداق یا تو صرف طاقِ تصور و تخیل کی زینت ہے' یا زیادہ سے زیادہ

صرف لکھے ہوئے یا بولے ہوئے حروف و الفاظ کی صورت میں موجود ہے' عالمی ذرائع ابلاغ کے شیطانی آلہ ہائے نشرواشاعت نے حفظ ماتقدم کے طور پر "اسلامک فنڈا مینٹلزم" کی دہائی نہایت زور و شور کے ساتھ دے رکھی ہے جس کے متوقع یا "قابلِ حذر" مراکز کی فہرست میں پاکستان کا نام بھی شامل ہے! (اور اگرچہ پاکستان کے حالیہ عام انتخابات کے نتائج سے عالمی شیطانی قوتوں کو کم از کم وقتی طور پر کچھ اطمینان حاصل ہو گیا ہے' تاہم جو لوگ "باطنِ ایام" پر نگاہ رکھتے ہیں' اور ع "سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف!" کے مصداق قرآن حکیم اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ کی دو آنکھوں سے حقائقِ باطنی کو دیکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں' وہ جانتے ہیں کہ "خلافت علیٰ منہاج النبوۃ" کی صورت میں اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی یعنی سماجی انصاف کے کامل اور متوازن نظام کے قیام کا نقطۂ آغاز بننے کی سعادت ان شاء اللہ اسی سلطنتِ خداداد پاکستان اور اس سے ملحق سرزمینِ افغانستان کو حاصل ہو گی جسے دورِ نبویؐ میں خراسان کے نام سے یاد کیا جاتا تھا! واللہ اعلم!!)۔

بہرحال اس عالمی تناظر کے پیشِ نظر' اور اس زمان و مکان کے فریم ورک کے پس منظر میں' پاکستان کے معروضی حالات کا مطالعہ اور مشاہدہ کیا جائے' تو یہ حقیقتِ کبریٰ فوری طور پر اظہر من الشمس کی طرح سامنے آتی ہے کہ ------ اگرچہ مغربی سرمایہ دارانہ معیشت' اور سود جوئے اور سٹے کے تانے بانے والا مغربی اقتصادی نظام بھی ہمارے ملک میں بدترین اور مکروہ ترین صورت میں رائج ہے' جس کے نتیجے میں یہاں بھی چند ہزار خاندان ایسے وجود میں آچکے ہیں جن پر قرآنی اصطلاح "مترفین" کا اطلاق کیا جاسکتا ہے' جو سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۶ و ۱۷ کے مطابق فسق و فجور' اسراف و تبذیر' اور عیاشی و فحاشی کی صورت میں اپنا روایتی کردار "باحسنِ وجوہ" ادا کر رہے ہیں (یعنی: "جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس کے مترفین کو چھوٹ دے دیتے ہیں کہ اس میں فسق و فجور کا بازار گرم کر دیں۔ اس کے نتیجے میں وہ بستی اللہ کے قانونِ عذاب کی زد میں آجاتی ہے چنانچہ ہم اسے نیست و نابود

کردیتے ہیں!" اور "یقیناً محض نام و نمود اور نمائش کے لئے دولت کو اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں!") ----- تاہم' کو آپریٹو سیکنڈلوں اور دیگر مالیاتی اداروں کی لوٹ کھسوٹ سے قطع نظر' مجموعی نسبت و تناسب کے اعتبار سے تاحال پاکستانی معاشرے میں سرمایہ دارانہ طرز استحصال کے مقابلے میں زمیندارانہ ظلم و جور' اور جاگیردارانہ زراعت اور مزارعت کے "طریق واردات" سے ہونے والے جبرو استحصال کی مقدار بہت زیادہ ہے ----- لہٰذا یہاں کسی "سماجی انصاف" کا کوئی تصور تک نہیں کیا جاسکتا جب تک جاگیرداری اور زمین داری کے موجودہ نظام کو ختم کرکے ایک بالکل نئے اور منصفانہ بندوبستِ اراضی کی صورت پیدا نہ کی جائے۔ اس لئے کہ جب تک یہ نظام موجود ہے اور ستر پچھتر فیصد انسان جاگیرداروں' وڈیروں' بڑے زمین داروں اور قبائلی سرداروں کے زیر نگین ہیں دستورِ مملکت میں درج حقوقِ شہریت بالکل بے معنی ہیں (اس لئے کہ ان سے بالفعل صرف بڑے شہروں میں آباد اقلِ قلیل اقلیت ہی فائدہ اٹھاسکتی ہے!) اور نام نہاد بالغ رائے دہی کی اساس پر خواہ کتنے ہی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات کا ڈھونگ رچالیا جائے ان پر مبنی جمہوریت فی الحقیقت جاگیرداروں کی آمریت کے سوا کچھ نہیں ہوگی!

چنانچہ یہ اسی عریاں حقیقت کا ادراک و اعتراف تھا جس کے نتیجے میں یہاں دوبار نام نہاد "زرعی اصلاحات" کا ڈول ڈالا گیا۔ لیکن چونکہ "قوت کا اصل سرچشمہ" جاگیر دار ہی تھے' اور ظاہر ہے کہ ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اسی شاخ کو کاٹ ڈالیں گے جس پر ان کا اپنا آشیانہ اور ان کے مفادات و مراعات کا کامل دارومدار ہے' لہٰذا دونوں بار کی نام نہاد "اصلاحات" سنار کی کھٹ کھٹ سے زیادہ ثابت نہیں ہوئیں' چنانچہ جاگیردارانہ اور زمیندارانہ استحصالی نظام علیٰ حالہٖ اور جوں کا توں قائم ہے' جس کے نتیجے میں ع "الیکشن' ممبری' کرسی' صدارت" کا پورا سلسلہ' صرف ایک سرمایہ دار خاندان کے علاوہ کلیتہً جاگیرداروں' وڈیروں' اور قبائلی سرداروں کا میوزیکل چیئرز کا کھیل بنا ہوا ہے۔ اور اس کے باوجود کہ عوام کے ہاتھوں میں

"ووٹ" نام کی ایک شے موجود ہے' در حقیقت اور فی الاصل ان کی حیثیت وہی ہے جو میرؔ کے اس شعر میں بیان ہوئی کہ۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
جو چاہیں سو آپ کرے ہیں' ہم کو عبث بدنام کیا!"

پاکستان کی چھیالیس سالہ تاریخ کے دوران میں تین اشخاص ایسے بر سراقتدار آئے جو اگر چاہتے تو پاکستانی معاشرے سے اس لعنت کا خاتمہ کر سکتے تھے' اس لئے کہ وہ فی الواقع اس پوزیشن میں تھے کہ اگر دل سے چاہتے تو ظلم و استحصال کے اس مکروہ ترین نظام کی جڑوں پر کاری وار کر کے سماجی انصاف کی راہ ہموار کر دیتے۔ ان میں سے دو تو فوجی حکمران تھے یعنی مرحوم صدر ایوب خان اور مرحوم صدر ضیاء الحق جن کے لئے اس میدان میں کوئی فیصلہ کن اقدام اس اعتبار سے بھی آسان تھا کہ فوجی حکمرانوں کے پاس اختیارات نہایت وسیع بلکہ بعض اوقات "لامحدود" ہوتے ہیں' اور ذاتی طور پر اس لئے مزید آسان تر تھا کہ وہ دونوں نہ جاگیردار تھے نہ بڑے زمیندار' اور تیسرے مرحوم ذوالفقار علی بھٹو تھے جو اگرچہ خود بڑے جاگیردار تھے لیکن ایک ایسی عوامی تحریک کے نتیجے میں بر سراقتدار آئے تھے جو سوشلزم کے نعرے کی بنیاد پر چلائی گئی تھی۔ مزید برآں' ان کے اقتدار کا اصل دور بھی "مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر" ہی کی حیثیت سے شروع ہوا تھا۔ لیکن افسوس' صد افسوس' کہ یہ تینوں اس معاملے میں کسی جرأتِ رندانہ سے کام نہیں لے سکے۔

ان میں سے جہاں تک سابق صدر ایوب خان کا تعلق ہے' ان کے دور میں جو زرعی اصلاحات ہوئیں ان سے جاگیردارانہ اور زمیندارانہ استحصال کو تو کوئی نمایاں ضعف نہیں پہنچا' البتہ ملک و قوم کی بہی خواہی میں انہوں نے معاشرے کو صنعتی ترقی کی جس راہ پر ڈالا وہ چونکہ مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشت ہی کی نقالی کی حیثیت رکھتی تھی لہٰذا اس سے جاگیردارانہ ظلم و جور پر مستزاد سود' جوئے اور سٹے پر مبنی سرمایہ دارانہ استحصال کا اضافہ ہو گیا۔

البتہ ایوب خان مرحوم کے مقابلے میں ضیاء الحق مرحوم کا معاملہ اس اعتبار سے زیادہ قابلِ افسوس ہے کہ انہوں نے تحریکِ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے عروج کے موقع پر زمامِ حکومت ہاتھ میں لی تھی۔ چنانچہ اُس وقت مسلمانانِ پاکستان کا دینی و مذہبی جذبہ تحریک پاکستان کے آخری ایام کے مقابلے میں بھی کہیں زیادہ قوی تھا۔ اس طرح گویا انہیں تاریخ نے ایک عظیم موقع عطا کیا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مقام اور مرتبے تک رسائی حاصل کر لیتے۔ اور یاد ہو گا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے' جنہیں پانچواں خلیفۂ راشد تسلیم کیا جاتا ہے' عنانِ خلافت ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کیا تھا کہ ان کے پیشرو حکمرانوں نے جو جاگیریں اپنے رشتہ داروں یا خدمت گاروں کو عطا کی تھیں ان سب کی دستاویزات منگوا کر پھاڑ ڈالیں اور اس طرح اس جاگیردارانہ نظام کی جڑیں ایک بار تو بالکل ہی کاٹ ڈالیں جو خلافتِ راشدہ کے اختتام کے بعد اس دورِ ملوکیت میں جڑ پکڑنے لگا تھا جسے نبی اکرم ﷺ نے ایک حدیث مبارک (احمد ابن حنبلؒ عن نعمان ابن بشیرؓ) میں "کاٹ کھانے والی" یعنی ظالم و جابر حکومت سے تعبیر فرمایا ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ مرحوم جنرل ضیاء الحق پاکستان کے موجودہ جاگیردارانہ نظام کی جڑیں تو کیا کاٹتے' میری اس تجویز پر بھی عمل نہ کر سکے (جو میں نے ان کی مجلس شوریٰ میں پیش کی تھی) کہ جیّد علماء دین اور ماہرینِ بندوبستِ اراضی کا ایک کمیشن قائم کیا جائے جو پاکستان کے موجودہ نظامِ اراضی پر تنقیدی اور تحقیقی نظر ڈال کر شریعتِ اسلامی کے اصل مقاصد اور روحِ عصر کے اہم تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان کے لئے ایک ایسا "نیا بندوبستِ اراضی" تجویز کرے جس سے ملک و قوم کو سماجی انصاف سے ہم کنار کیا جا سکے!

اسی طرح ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو بھی تاریخ نے ایک عظیم موقع عطا فرمایا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو پاکستان کے ماؤزے تنگ بن سکتے تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگا کر عوام کو اپنے گرد جمع کیا تھا۔ اور اگرچہ مذہبی جماعتوں کی اکثریت نے ان کی مخالفت کی تھا' لیکن ایک اہم اور مؤثر و منظم مذہبی جماعت یعنی جمعیت علماءِ

اسلام نے ان کا ساتھ بھی دیا تھا۔ (واضح رہے کہ اُس وقت جمعیت علماء اسلام آج کے مقابلے میں کہیں زیادہ طاقتور اور نسبتاً زیادہ وسیع اور عمیق سیاسی اثر ورسوخ کی حامل تھی!) اور ان سطور کے حقیر و عاجز راقم نے بھی ماہنامہ "میثاق" کے ادارتی صفحات میں ان لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے جو "اسلامی جمہوریت" کے تو دل و جان سے قائل ہی نہیں فدائی تھے لیکن "اسلامی سوشلزم" کو کفر قرار دیتے تھے' مفصل تحریریں شائع کی تھیں کہ اگرچہ اسلامی نظام بجائے خود ایک حیاتیاتی وحدت ہے جس میں کسی دوسرے ازم کی پیوندکاری نہیں ہو سکتی' چنانچہ اس کی اپنی جمہوریت اور شورائیت اور اسی طرح اپنا نظامِ عدلِ معاشی ہے' تاہم اگر اسلامی جمہوریت کی اصطلاح درست ہے تو یقیناً اسلامی سوشلزم کی اصطلاح بھی صحیح اور مطابقِ اسلام ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ ذوالفقار علی بھٹو بھی اپنی جاگیردارانہ کھال یا خول سے باہر نہ آسکے۔ چنانچہ انہوں نے ملوں اور کارخانوں' یہاں تک کہ آٹے اور چاول کے چھوٹے چھوٹے صنعتی یونٹوں کو تو نیشنلائز کیا' لیکن زمین کو "قومیانے" کی ہمت نہ کر سکے جو ہماری قومی معیشت کی اصل اساس اور ہمارے معاشرے میں ظلم و جور' اور جبر و استحصال کی سب سے بڑی بنیاد ہے!

بہرحال آج جب کہ پاکستانی سیاست کی گاڑی کے دونوں پہیے بھی کسی حد تک روایتی پٹڑی پر چڑھ گئے ہیں' چنانچہ ایک جانب حکومت بھی خاصی مستحکم ہے تو دوسری جانب اپوزیشن بھی خاصی مضبوط ہے' مزید برآں ایک جانب ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی' جو اپنے والد کی نظریاتی وراثت کی دعویدار ہے' وزیرِ اعظم ہے' تو دوسری جانب ایک ایسا شخص صدرِ مملکت کے عہدے پر فائز ہے جو نہ صرف یہ کہ عوامی سیاست کی سختیاں جھیل کر' اور سیاسی وابستگی میں پائیداری اور استقلال کا ثبوت دے کر اس مقام تک پہنچا ہے' بلکہ شرافت اور لیاقت کے ساتھ ساتھ ذاتی نیکی اور سادگی ہی نہیں' مشرقی اور مذہبی مزاج کے حامل ہونے کی شہرت بھی رکھتا ہے' یہ پھر ایک سنہری موقع ہے کہ پاکستانی معاشرے سے جبر' ظلم' اور استحصال کی سب سے بڑی بنیاد کو

منہدم کرنے کے بارے میں سنجیدگی سے غور کیا جائے---- اور جاگیرداری اور زمینداری کے موجودہ نظام کا ایک جانب دین و شریعت کے بنیادی مقاصد اور اصل اہداف کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے کہ دین کے اعتبار سے حق و باطل اور شریعتِ اسلامی کی رو سے جائز و ناجائز میں صحیح امتیاز کیا جاسکے، اور دوسری جانب سماجی انصاف کے تقاضوں کے اعتبار سے بھی غور کیا جائے کہ کون سا راستہ عوام کی بہبود اور ملک و قوم کی خوشحالی، مضبوطی اور ترقی کے نقطۂ نگاہ سے صحیح اور مفید ہے اور کون سا غلط اور مضر---- اور پھر کیا عجب کہ ہمیں یہ دونوں تقاضے متحد اور یک جا نظر آئیں۔ اس لئے کہ اسلام دینِ فطرت ہے اور اگرچہ افراد کی سطح پر اس کے نزدیک اصل نصب العین اور مقصدِ اعلیٰ اللہ کی رضا اور اخروی فلاح ہے، لیکن دنیا میں اس کا اصل ہدف عدل و قسط کے نظام کا قیام ہے۔ (جس کی مفصل وضاحت صفحاتِ گزشتہ میں ہو چکی ہے!)

اس ضمن میں ایک عملی مشکل دورِ ملوکیت میں پروان چڑھنے والی فقہ کے بعض فتاویٰ کی صورت میں بھی موجود ہے۔ جس کا ایک اہم مظہر سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بینچ کے ایک فیصلہ کی صورت میں سامنے آیا تھا۔ چنانچہ اس کے حل کے لئے ہمارے بعض بائیں بازو کے دانشور کبھی مارکس اور انجلز کے "عمرانی انکشافات" کا سہارا لیتے ہیں (روس میں کمیونزم کی موت واقع ہو جانے کے بعد بھی ان حضرات کی یہ "وفاداری بشرطِ استواری" واقعتاً قابلِ داد ہے!) اور کبھی علامہ اقبال کے اشعار اور ڈاکٹر علی شریعتی کے افکار کا حوالہ دیتے ہیں، حالانکہ ؎

"خوشتر آں باشد مسلمانش کنی
کشتۂ شمشیرِ قرآنش کنی!"

کے مصداق اس کا کامل حل "شمشیرِ قرآنی" ہی کے حوالے سے دورِ خلافتِ راشدہ کے عہدِ فاروقیؓ کے ایک اجتہاد و اجماع میں موجود ہے، جس پر مفصل گفتگو ان شاء اللہ آئندہ نشست میں ہوگی!OO

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت

پیغمبرِ انقلاب

محبوب الحق عاجز

پچھلے دنوں ادارہ منہاج القرآن کے زیر اہتمام کُل پاکستان مقابلۂ مضمون نویسی ہوا جس میں ملک بھر سے بڑی تعداد میں مختلف کالجوں کے طلبہ نے حصہ لیا۔ عنوان تھا: "آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر انقلاب"۔ اس مقابلے میں ایک نوجوان رفیق تنظیم محبوب الحق عاجز جو قرآن کالج کے سال دوم کے طالب علم ہیں' اول انعام کے مستحق قرار پائے۔ محبوب الحق قرآن کالج کے ایک ہونہار طالب علم ہیں' انہوں نے اپنے مضمون میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ تنظیم کے انقلابی فکر اور انقلاب نبوی کے اس منہاج کو سمو کر پیش کیا ہے جسے امیر تنظیم ایک عرصے سے اپنی تقاریر اور تحریروں کے ذریعے واضح فرما رہے ہیں۔ اس مضمون کی اشاعت سے جہاں عزیز القدر محبوب الحق کی حوصلہ افزائی مقصود ہے وہاں اس کا ایک اضافی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے تنظیم کا انقلابی فکر اور اس کی دعوت ایک نئے اسلوب میں قارئین کے سامنے آتی ہے۔

موضوع سخن آنکہ

اہل علم و دانش بخوبی جانتے ہیں کہ سیرۃ النبی ﷺ نہایت ہی وسیع اور ہمہ گیر موضوع ہے' جو زندگی کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ ان سب پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں لانے کے لئے دفتر درکار ہے' کیونکہ حضور ﷺ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں سیرۃ مطہرہ ہمارے لئے مشعل راہ نہ ہو۔ سیرۃ رسول ﷺ کے متعدد پہلو ہیں یا یوں کہئے گویا چمنستان دہر لاتعداد حسین و جمیل دلکش و دلفریب انتہائی دلاویز اور مسحور کن خوشبوؤں سے لبریز معطر پھولوں سے لدا ہوا ہے۔ اب اس چمن میں انسان کے لئے کسی ایک پھول کا انتخاب کرنا نہایت مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے لئے بھی حضور ﷺ کی حیاۃ

طیبہ کے کسی ایک گوشے کا انتخاب کرنا اتنا ہی مشکل تھا' مگر اچانک ذہن عالم اسلام میں پچھلے تین سو سالوں سے اقامتِ دین کی جدوجہد میں مصروف اسلامی تحریکوں' ان کے انقلابی منہاج اور پھر ان کی ناکامیوں کی طرف منتقل ہوا' اسی پیرائے میں وطن عزیز پاکستان میں حالیہ انتخابات میں دینی جماعتوں کی مایوس کن کارکردگی سامنے آئی بسبب اس کے سوچا کہ کیوں نہ حضور ﷺ کے انقلابی پہلو پر کچھ گوش گزار کروں تاکہ اسلامی انقلاب کے لئے نبوی طریق ہمارے سامنے آجائے۔ اور شاید کہ مسلمانان عالم انقلاب کے دیگر راستوں کو چھوڑ کر نبوی راستے کو اختیار کرلیں۔ میری کوشش ہوگی کہ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا فلسفہ انقلاب کے زاویہ نگاہ سے جائزہ لوں' مگر یہ بھی تو حقیقت ہے کہ اعتراف عظمت کے لئے با عظمت انسان ہونا ضروری ہے۔ اس اعتبار سے جب میں اپنے گریبان میں جھانکتا ہوں تو مداح و ممدوح میں ذرہ و آفتاب کا فرق پاکر قلم اٹھانے کی ہمت نہیں پڑتی' کہاں وہ شہ لولاک اور کہاں یہ ذرۂ رہ نشین جو خورشید جہان تاب کی مدح سرائی کرسکے' مگر دل ہے جس کی دنیا میں طوفان اٹھ رہے ہیں' آنکھوں میں آنسو مچل رہے ہیں جو مجبور کررہے ہیں کہ سراپا گناہ گار انسان خالق کائنات کے ممدوح' آمنہ کے لال اور انسانیت کے محسن ﷺ کے حضور ہدیۂ تبریک پیش کرے۔

رسولوں کی بعثت — اللہ کی سنّت

روز اول سے جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا' اس کے لئے دین توحید' "اسلام" کو پسند فرمایا (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ)... مختلف زمانوں میں وقت کے تقاضوں کے مطابق اگرچہ شریعتوں میں تبدیلی ہوتی رہی مگر دین کی بنیادی تعلیمات توحید' رسالت اور معاد میں کوئی فرق نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت ارضی عطا کی تو اس کی ہدایت و راہنمائی کے لئے اولاً یہ بندوبست کیا کہ اس کی فطرت میں اپنی وحدانیت اور اپنے دین کا تصور رکھ دیا مگر انسان کی نفسانی کمزوریوں بالخصوص نسیان کے سبب اپنے خالق حقیقی کے بھولنے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے فطرت صحیحہ کے ودیعت کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنی برگزیدہ ہستیاں مبعوث فرمائیں' کتابیں اور صحیفے نازل کئے۔

قرآن حکیم اور انسانی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جب ایک پیغمبر انسانوں کو توحید کا درس جانفزا دے کر اس دنیا سے رخصت ہوا تو انسان پھر راہ راست سے بھٹک گیا' اَن دیکھے خدا کی بجائے مظاہر پرستی کا آغاز ہوا' ایسے میں اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ رہی ہے کہ اس نے ہر زمانے' ہر قوم اور ہر خطے میں انسانوں کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اپنے نبی بھیجے۔ یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور مختلف زمانوں میں جاری رہا' تا آنکہ نبوت و رسالت کے سلسلے کی آخری کڑی حضور اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی۔

رسولِ خاتم ﷺ پیغمبر انقلاب ہیں

حضور نبی کریم ﷺ سے پہلے جتنے بھی نبی اور رسول علیہم السلام اس دنیا میں تشریف لائے وہ سب کے سب اپنے قوم و قبیلہ اور ایک خاص زمانے کے لئے بھیجے گئے تھے' جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں صرف بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں آیا ہوں" لیکن حضور ﷺ کل نوع انسانی کے لئے اور تمام زمانوں کے مبعوث ہوئے ہیں' جیسے قرآن حکیم میں فرمایا گیا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (سبا ۳۴:۲۸) اور قیامت تک آپ ﷺ کی نبوت و رسالت رہے گی' اس لئے تمام افراد اور اقوام کا آپ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ چونکہ حضور ﷺ کا عہدِ مبارک انسان کی ذہنی و فکری بلوغت' علوم و فنون کی ترقی اور ارتقاء اور روشنی کا زمانہ تھا' علم و حکمت' عقل و فکر' تہذیب و ثقافت کے ارتقاء کی بدولت انسان کو ایک اجتماعی نظام کی احتیاج تھی' ویسے بھی مکان کی تسخیر کے نتیجے میں ذرائع ابلاغ دین آسان ہوتے جا رہے تھے اور متصلاً بعد کے زمانوں میں سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کے خارجی فاصلوں کو کم کر کے انہیں قریب لانا تھا' اس لئے ربانی حکمت کا فیصلہ ہوا کہ محمد ﷺ کو کُل نوعِ انسانی کے لئے اور رسول خاتم بنا کر بھیجا جائے' چنانچہ آپ ﷺ کی بعثت کی صورت میں منصوبے کی تکمیل کی گئی۔ دوسرے انبیاء و رسل کے بنیادی مشن دعوت توحید کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو ایک خصوصی مشن دیا گیا تھا جسے سورۂ فتح میں ارشاد فرمایا:

"هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ"

"وہی (اللہ) ہے جس نے بھیجا اپنا رسول الھدیٰ اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ اسے تمام ادیان پر غالب کردے"۔

اس لئے رسولوں کے خاتم ﷺ کے لئے ضروری تھا کہ اللہ کے پسندیدہ دین اور نظام حیات کی نظری تبلیغ کے ساتھ ساتھ عملی طور پر بھی اسے زمین کے ایک حصے میں برپا کردیں، تاکہ عالم اسباب میں صحیفۂ انقلاب قرآن حکیم کی مستقل حفاظت ہو سکے۔ اور وہ نظام زندگی، جس کی پہلے انبیاء و رسل صرف دعوت دیتے تھے، ختم نبوت کے تقاضے کے تحت، فکری اور عملی ہر دونوں میدانوں میں پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔ (اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا)۔ گویا دوسرے انبیاء صرف پیغمبرِ دعوت تھے اور آپ ﷺ پیغمبرِ انقلاب بھی ہیں۔

پیغمبر انقلاب ﷺ کی انقلابی جدوجہد کے تذکرے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لفظ "انقلاب" کے معنی و مفہوم کی وضاحت کردی جائے۔

انقلاب کے معنی و مفہوم

انقلاب عربی زبان کا لفظ ہے۔ عربی زبان کی یہ خاصیت ہے کہ اس کے الفاظ چند بنیادی حروف (جنہیں عربی میں مادہ کہتے ہیں) سے مل کر بنتے ہیں۔ اس اعتبار سے انقلاب کا لفظ سہ حرفی مادہ "ق ل ب" سے باب انفعال کا مصدر ہے۔ اس مادے کا بنیادی مفہوم کسی حالت یا کیفیت میں تبدیلی کا ہے۔ "دل" کو غالباً اسی لئے "قلب" کہا جاتا ہے کہ اس کی کیفیت ہر لحہ بدلتی رہتی ہے۔ انقلاب کے لفظی معنی بدل جانا اور تبدیل ہو جانا کے ہیں۔ اردو زبان میں یوں تو انقلاب کا لفظ زندگی کے کسی بھی پہلو میں تبدیلی کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً ذہنی انقلاب، فکری انقلاب، عملی انقلاب اور اخلاقی انقلاب وغیرہ لیکن اصطلاح میں "انقلاب" کے لفظ کا اطلاق اس تبدیلی پر ہوتا ہے جو کسی معاشرے کے اجتماعی نظام یا اس کے کسی ایک گوشے میں لائی جاتی ہے۔ انگریزی زبان میں "REVOLUTION" کا

لفظ انقلاب ہی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، تاہم فوجی انقلاب کے لئے "REVOLUTION" کا لفظ استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کے بجائے "کوڈی ٹا" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

انقلاب کی اقسام

انقلاب دو طرح کا ہوتا ہے: (۱) تاریخی انقلاب (۲) پیغمبرانہ انقلاب

تاریخی انقلاب:۔ یہ انقلاب عام دانشور و فلاسفہ اور مفکرین کے نظام فکر پر برپا کیا جاتا ہے جو کہ "THESIS" کے "ANTITHESIS" کی صورت میں ٹکراؤ کا نتیجہ ہوتا ہے جیسے۔ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اپنے کتابچہ "پیغمبرِ انقلاب اور صحیفۂ انقلاب" میں لکھتے ہیں:

> "تاریخی انقلاب انسانی مفادات کے ٹکرانے سے بَعْضُكُم لِبَعْضٍ عَدُوٌّ (یعنی باہمی عداوت و مخاصمت) کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے جس کی جدوجہد انسانی استعداد کے وضع کردہ اقدام (agitation) سے ہوتی ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں کہ خاطر خواہ نتائج بر آمد ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخی انقلابات مطلوبہ نتائج پیدا کرنے سے قاصر رہتے ہیں"۔

پیغمبرانہ انقلاب:۔ پیغمبرانہ انقلاب تاریخی انقلاب کے برعکس انسانی نظام فکر کی بجائے حاکم مطلق رب ذوالجلال کی عطا کردہ وحی کی روشنی میں برپا کیا جاتا ہے۔ وحی کی بنیاد پر آنے والے اس انقلاب میں یقین و ایقان کے ساتھ ساتھ کامیابی و کامرانی کی بھی ضمانت دی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِی۔

عرب کا مشرکانہ معاشرہ اور مصطفوی انقلاب

سیرۃ نبوی ﷺ کے کسی بھی پہلو کو سمجھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی آمد سے متصلاً پہلے کے دور کا جائزہ لیا جائے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

پیغمبر انقلاب ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں کفر و شرک اور جہالت و تاریکی کا دور

دورہ تھا۔ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہما السلام کی تعلیمات مٹ چکی تھیں۔ سب سے بڑے موحد ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اللہ کی توحید کو چھوڑ کر شرک و بت پرستی کی طوفانی وادیوں میں بھٹک رہی تھی۔ عیسائیوں نے رب لاشریک کی توحید کو چھوڑ کر تثلیث (تین خداؤں) کا گمراہ کن عقیدہ گھڑ لیا تھا۔ اس طرح دین مسیح مسخ ہو گیا تھا۔ بحیرۂ احمر اور بحیرۂ روم کے ساحلی علاقے جو اس وقت تہذیب و تمدن کا گہوارہ سمجھے جاتے تھے وہاں یہود و نصاریٰ اکثریت (Majority) کے باوجود مصر و یونان کی بت پرستی اختیار کر چکے تھے اور یوں وحدانیت کے بجائے کثرتیت یعنی "بہت سے خداؤں" کی پوجا کی جا رہی تھی۔ عرب بت پرستی کا مرکز تھا۔ نجران کے عیسائی اور مدینہ کے یہودی بھی بت پرستی کا شکار ہو گئے تھے۔ خانہ خدا جسے سب سے بڑے بت شکن ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا ۳۶۰ بتوں کا مسکن بنا ہوا تھا' ہر قبیلہ کا علیحدہ بُت ہوتا تھا۔ عرب کی معاشرت تباہی کے دہانے کھڑی تھی۔ تمام عرب بالخصوص اہل مکہ شراب کے رسیا تھے' شراب نوشی اور جوا بازی پر فخر کیا جاتا تھا۔ ایک عربی شاعر طرفہ ابن العبد کہتا ہے۔

فلولا ثلاث هن من عيشة الفتىٰ
و جدل كم احفل متى ما قام عودى

"اگر تین چیزیں جو ایک نوجوان کی زندگی کا لازمہ ہیں نہ ہوتیں تو مجھے کسی چیز کی پرواہ نہ رہتی بشرطیکہ مجھے ہمیشہ غذا ملتی رہتی"۔

فمنهن سبقى العاذلات بشربة
كميت متى ما تعل بالماء تزبد

"ان میں سے ایک میرا اپنے رقیبوں سے مے نوشی میں سبقت لے جانا اور مے بھی وہ جو دو آتشہ ہو' جس میں اگر پانی ملا دیا جائے تو اس پر کف آ جائے"۔

اہل عرب اتنے بے حیا تھے کہ کعبۃ اللہ کے گرد جمع ہو کر شراب پیتے' عیاشی کرتے' زناکاری بھی معاشرے میں رائج تھی۔ انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی' اس لئے معمولی سے بات پر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا جاتا' قانون کا کوئی تازیانہ تھا' الغرض انسانی معاشرہ کی بنیادیں جبر و استبداد' حرص و ہوس اور انسانی استحصال پر قائم تھیں' اخلاقی قدریں پامال

ہو رہی تھیں اور انسانیت روبہ زوال تھی۔ بدی چہار دانگ عالم پر حکمرانی کر رہی تھی اور نیکی کونوں کھدروں میں منہ چھپائے کانپ رہی تھی اور نہایت عاجزی سے نور و ظلمت کے پروردگار کے سامنے مصروفِ دعا تھی: اے آقا اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر جو ظلمت کدۂ دہر کو منور کر دے' اس رسول خاتم کو پیدا کر دے جو جہالت کی شب تاریک میں قندیل بن کر پورے ماحول کو روشن کر دے۔ یہ وہ حالات تھے جن میں آپ ﷺ کی بعثت ہوئی۔ انقلابی رسول آئے تو کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے معاشرے کو لا الٰہ الا اللہ کی ازلی صداقتوں کی دعوت دی' انہیں بت پرستی' ستارہ پرستی اور آتش پرستی کے جمگھٹوں سے نکال کر خدا پرستی کی تعلیم دی۔ وہ خانہ خدا جو ۳۶۰ بتوں کا مسکن تھا آپ نے از سر نو اسے خانہ خدا بنایا۔ مخلوق خدا غلامی کے بوجھ تلے کراہ رہی تھی' اشرف المخلوقات انسان سے حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کیا جا رہا تھا' آپ ﷺ نے گرفتارِ بلا انسان کو غلامی سے نجات دلا کر آزادی میں سانس لینے کا موقع فراہم کیا۔ عدل و انصاف کا معیار بھی عجیب تھا' جب کسی امیر طبقہ کے فرد سے کوئی جرم سرزد ہوتا تو اسے معاف کر دیا جاتا' مگر جب کوئی غلام یا غریب فرد کسی جرم میں ملوث ہوتا تو اسے کڑی سزا دی جاتی تھی۔ عورت عرب معاشرہ کا مظلوم ترین طبقہ تھی' آسمان تلے اس سے زیادہ بے بس کوئی نہ تھا' معاشرے میں اس کو کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ وہ محفل نشاط کی روح رواں تو ضرور تھی مگر اس کے حقوق کا خانہ خالی تھا' جائیداد کی تقسیم میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا' اس کی حیثیت گھر کی نوکرانی کی سی تھی۔ حضور ﷺ نے آکر معاشرے میں اس کو جائز مقام دیا' اسے مرد کے مساوی حقوق دیئے۔ البتہ دونوں کے دائرہ کار میں فرق تھا۔ جائیداد میں اس کا حصہ مقرر کیا گیا۔ عیسائیت نے اسے "گناہ کا محرک" قرار دیا تھا' حضور ﷺ نے اسے ماں کی صورت میں "الجنۃ تحت اقدام الامّھات" کا مقام بلند دیا' بیٹی ہے تو وہ رحمت ہے اور عورت کو بیوی کی صورت میں دنیا کی سب سے بڑی نعمت قرار دیا۔ اب وہ محفل کی روح رواں نہ تھی بلکہ گھر کی ایک چھوٹی سے ریاست میں ملکہ بن گئی۔

عرب معاشرہ میں دختر کشی کی ظالمانہ قبیح رسم بھی موجود تھی' چونکہ عرب معاشرہ میں بیٹی کی پیدائش کو باعث ننگ و عار سمجھا جاتا تھا اس لئے اس کی پیدائش پر ہی اسے زندہ

درگور کر دیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ نے اس ظالمانہ رسم کا خاتمہ کیا۔ معاشی میدان میں سرمایہ دار نے غریب مزدور کو اپنے سودی شکنجے میں جکڑا ہوا تھا' وہ جیسے چاہتا اور جب چاہتا غریب مزدور کے حقوق پر ڈاکہ ڈالتا' اسے کوئی روکنے والا نہ تھا۔ مگر ان تمام مظالم کو خبیر و بصیر ذات دیکھ رہی تھی۔ اس کی غیرت جوش میں آئی' اس نے اپنے حبیب ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

حضور ﷺ آئے تو ظلم کی تاریک رات ڈھل گئی' آپ نے تمام ناانصافیاں حرفِ غلط کی طرح مٹادیں' یوں زندگی کے مرجھائے ہوئے چہرے پر حسن ازلی کا نکھار آگیا۔ آپؐ کا لایا ہوا یہ انقلاب دراصل عہدِ عتیق کی خاکستر سے عہد جدید کی تعمیر نو کا انقلاب تھا' خدا کی حاکمیت کا انقلاب تھا' جس نے تمام "اَربابٌ مِن دُونِ اللّٰہ" کے بت پاش پاش کئے اور انسان کو انسان کی حاکمیت سے نجات دلاکر "الا رضُ لِلّٰہ" کا دلربا پیغام دیا۔۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں' اللہ کی ہے یہ زمین

رسولِ عربی ﷺ نے وحدت الٰہ کے ساتھ "وحدت آدم" کا تصور بھی دیا۔ آپؐ نے تمام نسلی ملوکیت' آقائی اور غلامی' لونی' لسانی اور وطنی عصبیتوں اور امتیازات کو مٹاڈالا۔ وہ کہ جس کی نگاہ میں رومی' یونانی' سوڈانی اور مصری سب ایک ہوگئے۔ جس کے دربار میں بلال حبشی' فیروز خراسانی' اثامہ نجدی اور سلمان فارسی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں' جہاں آقا و گدا ایک ساتھ بیٹھے ہیں۔۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

الغرض آپ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب ایسا وسیع فکری و تعلیمی انقلاب تھا جس نے زندگی کے جملہ شعبوں' سیاسیات' اقتصادیات' معاشیات' معاشرت' عدالتی نظام اور تعلیمی نظام کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ مولانا وحید الدین خان اپنی کتاب "پیغمبر انقلاب" میں لکھتے ہیں۔

"مذہبی اداروں میں شخصیت پرستی کی بجائے خدا پرستی کس نے قائم کی'
اعتقادیات کو توہمات کی بجائے حق کی بنیاد کس نے عطا کی' سائنس میں فطرت

کی پرستش کی بجائے فطرت کو مسخر کرنے کا سبق کس نے دیا' سیاسیات میں نسلی شہنشاہیت کی بجائے عوامی حکومت کا راستہ کس نے دکھایا' علم کی دنیا میں خیال آرائی کی بجائے حقیقت نگاری کی طرح کس نے ڈالی' سماج کی تنظیم کے لئے ظلم کی بجائے عدل کی بنیاد کس نے فراہم کی؟۔ جواب یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں انسان کو پیغمبر اسلام سے ملیں۔ آپ ﷺ کے سوا کوئی نہیں جس کی طرف حقیقی طور پر ان کارناموں کو منسوب کیا جاسکے۔ دوسرے تمام افراد آپ کے انقلابی دھارے کو استعمال کرنے والے ہیں' نہ کہ اس کو وجود میں لانے والے۔ جی ہاں' لاریب یہ کارنامے پیغمبر انقلاب (ﷺ) ہی کے ہیں۔"

دنیا کے دوسرے انقلابات اور انقلابِ محمدیؐ

تقابلی جائزہ

زمانے نے بڑے بڑے انقلاب دیکھے ہیں۔ ان میں خونیں و قبیح انقلابات زیادہ اور سفید و حسین انقلابات کم تھے' لیکن زمانے نے ایک انقلاب ایسا بھی دیکھا ہے جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اور شاید پھر کبھی دیکھ نہ سکے۔ یہ انقلاب رسولِ عربی ﷺ کا انقلاب تھا۔ یہ انقلاب دنیا کے دیگر انقلابات کے برعکس انتہائی قلیل عرصے میں انتہائی وسیع رقبے پر پھیلا۔ دنیا کے دیگر انقلابات جن میں انقلاب روس اور انقلاب فرانس نمایاں مقام رکھتے ہیں' ان انقلابات میں ایک طویل زمانہ جدوجہد کارفرما ہے' اور پھر یہ کہ یہ پوری معلوم دنیا میں پھیل بھی نہ سکے۔ جبکہ اسلام کا ہمہ گیر انقلاب اپنے وقت میں پوری معلوم دنیا کے طول و عرض میں پھیلتا گیا۔

"آپ ﷺ کی دعوتی جدوجہد کی کل مدت صرف تیئیس سال ہے مگر اس مختصر مدت میں عرب کے قبائل میں آپ نے ایسا انقلاب برپا کر دیا' جس کی دوسری مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس انقلاب نے سو سال سے بھی کم

عرصہ میں دنیا کی دو بڑی شہنشاہیوں ساسانی سلطنت اور بازنطینی سلطنت کو زیر کرلیا۔ اور ایک طرف عراق و ایران سے لے کر بخارا تک' دوسری طرف شام و فلسطین سے لے کر مصر اور شمالی افریقہ تک پھیل گیا۔ پھر یہ سیلاب مغربی سمت بڑھا اور ۷۱۱ء میں جبرالٹر سے گزر کر سپین اور پرتگال میں داخل ہوگیا۔ مغربی یورپ میں قافلہ اسلام کی پیشقدمی ۷۳۲ء میں شاہ فرانس چارلس کارٹل نے تور کے مقام پر روک دی۔ تاہم دو صدیوں تک یورپ کی صلیبی جنگوں اور اس کے بعد تاتاریوں کے بے پناہ حملوں کے باوجود پندرہویں صدی تک اس کو کوئی حقیقی نقصان نہیں پہنچا۔" (مولانا وحید الدین خان' مصنف پیغمبر انقلاب)

حضور ﷺ کا لایا ہوا انقلاب اس اعتبار سے بھی ایک عظیم ترین انقلاب ہے کہ یہ انقلاب تیئس برس کے قلیل عرصے میں برپا ہوا۔ اسی مختصر عرصے کے دوران نبی اکرم ﷺ نے انقلابی نظریۂ توحید کی تبلیغ و ترویج کی' پھر اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک مضبوط تنظیم حزب اللہ تشکیل دی' ان کا تزکیہ اور تربیت کی' پھر صبر محض اور قتال کے مراحل سے گزار کر خود ہی فتح مکہ پر اس کی تکمیل کردی۔ مگر اس کے برعکس دوسرے انقلابات میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ روس کے اشتراکی اور اشتمالی (COMMUNISM AND SOCIALISM) انقلاب کا فلسفہ کارل مارکس نے پیش کیا جو جرمنی میں پیدا ہوا اور انگلستان میں اپنے فکر کو "DAS CAPITAL" نامی کتاب کی صورت میں مدون کیا۔ وہ اپنی زندگی میں جرمنی کے ایک گاؤں میں بھی تبدیلی نہ لاسکا' بلکہ ۱۹۱۷ء میں لینن نے اس نظام فکر کو ہاتھ میں لے کر روس میں انقلاب برپا کیا۔ اسی طرح انقلاب فرانس میں بھی نظام فکر والٹیر اور روسو نے پیش کیا اور اسے عملی شکل بعد میں ان کے ساتھیوں نے دی۔

دنیا کے دوسرے انقلابات خونی انقلابات تھے۔ ان میں لاکھوں انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔ روس کے اشتراکی انقلاب میں ایک لاکھ چھیانوے ہزار مزدور اور آٹھ لاکھ نو ہزار کسانوں کا خون بہایا گیا۔ سٹالن نے اپنے دور حکومت میں تیس ہزار سرکاری ملازمین قتل

کروائے' مگر جبر و تشدد کی وجہ سے ان حقائق سے کسی کو پردہ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اسی طرح انقلاب فرانس میں مارٹن لوتھر اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ نہایت ہی ناروا سلوک کیا گیا۔ چین کے کمیونسٹ انقلاب میں ماؤزے تنگ کے ساتھ لانگ مارچ میں انسانی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ جرمن قوم کے ہیرو ہٹلر نے بڑے پیمانے پر یہود کا قتل عام کیا' ہٹلر کی جرمن قوم پرستی کی بدولت ہی دوسری جنگ عظیم میں ستر لاکھ انسان لقمہ اجل بن گئے۔ ان سب کے مقابلے میں مصطفوی انقلاب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ انقلاب انسانیت کا خون نہیں بلکہ امن و سلامتی کا پیغام لے کر آیا۔ یہ قافلہ انقلاب دار ارقم سے چلا اور فتح مکہ پر اپنا سفر مکمل کیا۔ مگر اس کے دوران صرف ۱۰۱۸ افراد قتل یا شہید ہوئے جن میں ۷۵۹ کفار و مشرکین تھے اور ۲۵۹ آپ ﷺ کے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم! اتنے عظیم انقلاب میں مقتولین کی یہ تعداد اتنی کم ہے کہ اس کو غیر خونی انقلاب (Bloodless Revolution) کہا جا سکتا ہے۔

مصطفویؐ انقلاب کی جامعیت اور ہمہ گیری

دنیا نے آج تک جتنے بھی انقلابات دیکھے ہیں وہ سب کے سب جزوی تھے' مثلاً روس کے اشتراکی اور اشتمالی انقلاب کے نتیجے میں صرف معاشی شعبے میں یہ تبدیلی آئی کہ تمام ذرائع پیداوار انفرادی ملکیت سے نکل کر اجتماعی ملکیت میں چلے گئے۔ اسی طرح فرانس کے انقلاب کی بدولت صرف سیاسی نظام میں یہ تبدیلی آئی کہ نسلی شہنشاہیت کی بجائے جمہوریت (DEMOCRACY) کا نظام سیاسی رائج کیا گیا۔ ہر دونوں انقلابات میں اپنے مخصوص شعبوں کے علاوہ عقائد و نظریات' رسوم و رواج اور معاشرتی زندگی وغیرہ میں کوئی قابل قدر تبدیلی نہیں آئی۔ اس اعتبار سے یہ سب انقلابات جزوی انقلابات تھے۔

اس کے برعکس حضور ﷺ کا لایا ہوا انقلاب جزوی انقلاب نہ تھا بلکہ ایک آفاقی اور ہمہ گیر انقلاب تھا' جس نے زندگی کے تمام گوشوں کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا۔ اس انقلاب نے معاشرت میں حیا' معیشت میں انصاف' سیاست میں الٰہیاتی حاکمیت' تہذیب میں حسن' تمدن میں نکھار اور زندگی میں بہار پیدا کر دی۔ اسی انقلاب نے شرک و بت

پرستی، ظلم و جہل، جرم و استحصال، فحشاء و منکرات، جنگ و جدل، تحزب و تشتت، معاشی ناہمواری، معاشرتی اونچ نیچ، محکومی و غلامی، مخاصمت و منافرت، ظلم و جور، ملاوٹ و بددیانتی کا خاتمہ کرکے، توحید و خدا پرستی، پیار و محبت، امن و امان، شرم و حیا، تعمیر و ترقی، معاشی و معاشرتی مساوات، آزادی و حریت، امانت و دیانت، حق و صداقت، ہمدردی و غمگساری نیز حسن زندگی پیدا کردیا۔ پیغمبر انقلاب کے ٹھوس عقیدے اور جامع نظام فکر کی بدولت اہل عرب کا پورا نظام عقائد بدل گیا۔ ان کی سوچ و فکر، اقدار و معیارات، مقاصد و عزائم، آرزوئیں و تمنائیں بدل گئیں۔ ان کی اخلاقیات، معاشرت و معیشت اور عدالتی نظام میں پوری تبدیلی آگئی، صاحبزادہ خوشید احمد گیلانی انقلاب محمدی کی جامعیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"جناب رسالت مآبؐ نے جس ٹھوس عقیدے اور جامع نظام کی بنیاد رکھی وہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب ہے۔ اگرچہ یک رخے انقلاب کئی آئے اور اپنی مدت پوری کرکے چلتے بنے۔ بہت کم ایسا ہوا ہوگا بلکہ معلوم تاریخ میں قطعاً ایسا نہیں ہوا کہ تیئیس برس کے قلیل عرصے میں دس بیس ہزار افراد نہیں پوری سوسائٹی اپنے مزاج و کردار میں ایسی تبدیلی پیدا کرلیتی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی دنیا ایک نئے انسان سے متعارف ہوتی ہے۔ اس انقلاب سے پہلے عرب کا بدو رہزن تھا، اب رہبر کے منصب پر فائز ہوگیا۔ اس سے پہلے وہ قتل و غارت کا خوگر تھا اب وہ عفو و رحمت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ خود پرست تھا اب خدا پرست ہوگیا، اس سے پہلے وہ جاہلیت کا پیکر تھا، اب وہ معرفت کے درس دینے لگا، اس سے پہلے وہ نسب اور خاندان کا اسیر تھا، اب وہ بین الاقوامیت کا سفیر نظر آتا ہے، اس سے پہلے وہ آتش بجاں تھا اب وہ گل بداماں دکھائی دیتا ہے"۔

بقول ہندو شاعر ایم اے ہری چند اختر۔

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کردیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

الغرض وہ صحابہؓ جنہیں پہلے زندگی عزیز تھی اب ترویج و اشاعت دین اور راہ خدا میں موت زیادہ عزیز ہو گئی' بقول اقبال۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مال غنیمت' نہ کشور کشائی

مختصر یہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جو اس تبدیلی سے بچ رہا ہو۔ ایسے ہمہ گیر' ہمہ جہت' مکمل و اتم اور جامع ترین انقلاب کی تاریخ انسانی نظیر نہیں پیش کر سکی۔

پیغمبرِ انقلاب اغیار کی نظر میں

حضور ﷺ کے انقلاب کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیری صرف آپ کے پیروکاروں ہی کا عقیدہ نہیں بلکہ یہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہے' کیونکہ حضور ﷺ جس زمانہ میں مبعوث ہوئے وہ انسان کی ذہنی و فکری بلوغت اور روشنی کا زمانہ تھا۔ اس اعتبار سے آپؐ کی حیثیت تاریخی طور پر اس قدر مسلم ہے کہ جب ایک مبصر (Hittle) قلم اٹھاتا ہے تو اس کو یہ الفاظ لکھنے پڑتے ہیں:

"Muhammad was born with in the full light of history"

(محمد ﷺ تاریخ کی پوری روشنی میں پیدا ہوئے۔)

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی عظمت اور آپ ﷺ کے انقلاب کی ہمہ گیری اتنی واضح اور مبرہن ہے کہ حضور ﷺ کے مخالفین بھی اسے بطور واقعہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔

دنیا کا ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ "الفضلُ ما شھدَت بہِ الاعداء" یعنی اصل فضیلت وہ ہے جس کا اقرار دشمن کریں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے مخالفین نے بھی آپ کی عظمت کا لوہا مانا ہے۔ ایچ جی ویلز نے پوری انسانی تاریخ پر ایک کتاب لکھی "Concise History of the World" -- اس

کتاب میں اس نے ایک chapter (باب) حضور ﷺ کے تذکرے پر لکھا۔ اس نے حضور ﷺ کی نجی زندگی پر آپ سے بغض و عناد کی وجہ سے اگرچہ بڑے رکیک حملے کئے ہیں مگر وہ جب اس chapter کے آخر میں آتا ہے تو حضور ﷺ کا پورا خطبہ حجتہ الوادع نقل کرتا ہے اور پھر تسلیم کرتا ہے کہ یہ حقوق انسانی کا پہلا منشور ہے۔

"This is the first charter of human rights"

اس میں وہ لکھتا ہے کہ یہ تاریخ انسانی کا پہلا عظیم انقلاب ہے جو محمد (ﷺ) نے برپا کیا۔ پھر وہ عیسائی ہونے کے باوجود لکھتا ہے کہ:

"جہاں تک انسانی حریت (HUMAN FREEDOM)' اخوت (FRATERNITY) اور مساوات (EQUALITY) کا تعلق ہے تو اس کے مواعظ (SERMONS) پہلے بھی بہت کہے گئے ہیں' مسیح ناصری (JESUS OF NEZZARETH) کے یہاں بھی وعظ تو بہت ہیں' لیکن یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ ان اصولوں (حریت' اخوت اور مساوات انسانی) پر مبنی فی الواقع ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ محمد (ﷺ) نے قائم کیا۔"

اسی طرح ولیم میور اپنی کتاب "Life of Mohammad" میں آپ ﷺ کو یوں خراج تحسین پیش کرتا ہے:

"ہماری تمام تصنیفات محمد (ﷺ) کے بارے میں ان کی چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی جو اہل مکہ میں کمیاب تھی' پر متفق ہیں"۔

اسی طرح برصغیر پاک و ہند کے ایک دانشور ایم این رائے نے "Historical Role of Islam" نامی ایک کتاب لکھی' اس میں انہوں نے واضح طور پر تسلیم کیا کہ محمد ﷺ تاریخ انسانی کے عظیم ترین انقلابی ہیں۔ امریکہ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے "The 100" اس کتاب کے مصنف مائیکل ہارٹ ہیں جنہوں نے تاریخ انسانی کی سو عظیم ترین شخصیتوں کا انتخاب کیا اور پھر اس کتاب میں ان کی درجہ بندی (GRADATION) ان کی عظمت اور ان کے تاریخ پر سب سے

زیادہ اثرات چھوڑنے کے حوالے سے کی۔ مصنف نے مذہباً عیسائی اور پیشے کے اعتبار سے سائنس دان ہونے کے باوجود نہ تو حضرت عیسیٰؑ کا نام پہلے نمبر پر رکھا اور نہ ہی نیوٹن کا' بلکہ مصنف کے نزدیک وہ شخصیت جسے اس کے کارناموں کی وجہ سے نمبر ایک پر رکھا گیا ہے وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ مصنف آپ ﷺ کے کمالِ عظمت کا اعتراف یوں کرتا ہے۔

"He was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels"

"آپ (ﷺ) تاریخ انسانی کی واحد شخصیت ہیں جو مذہبی اور سیکولر دونوں سطح پر حد درجہ کامیاب رہے۔"

دور حاضر میں پوری دنیا کے مفکرین انسانی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں: (۱) انفرادی (۲) اجتماعی۔ انفرادی گوشے میں مذہب' عقائد' معاشرتی رسومات' مراسم عبودیت اور اخلاقیات شامل ہیں۔ یہ گویا (Privateaffairs of individuals) کا میدان ہے۔ اجتماعی کھانے میں' سیاست' تمدن' قوانین' عداوت' معیشت اور بین الاقوامی معاملات میں۔ یہ گویا اجتماعی میدان (Secular field) ہے۔ محمد ﷺ کی تعریف کے بعد مائیکل ہارٹ نے لکھا ہے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں جتنی بھی عظیم ترین شخصیتیں ہوئی ہیں' ان کا معاملہ بڑا عجیب ہے کہ ادھر اگر مذہبی میدان میں بڑے کارنامے ہیں تو ادھر سیکولر فیلڈ میں کوئی نام و نشان نہیں۔ حضرت عیسیٰؑ اور مہاتما گوتم بدھ مذہب' اخلاق اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے بہت اونچی چوٹی پر فائز ہیں مگر سیاست' حکومت اور تمدن سے کوئی واسطہ بھی نہیں۔ اس کے برعکس چنگیز' ہلاکو' سکندر اعظم سیکولر فیلڈ میں کافی آگے ہیں بلکہ انتہائی وحشی اور غارت گر' بقول اقبال ؎

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک

یہ سب شخصیتیں ادھر چوٹی پر تو ادھر زیر و لیول پر دکھائی دیتی ہیں۔ اس لئے وہ لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ انسانی تاریخ میں عظیم ترین شخصیت حضرت محمد ﷺ کی ہے جو بیک وقت مذہبی اور سیکولر دونوں میدانوں میں انتہائی کامیاب ہیں۔

(جاری ہے)

ناظم حلقہ سندھ وبلوچستان کا
۹ روزہ دورۂ سندھ

(مرتب: نجیب صدیقی کراچی)

گزشتہ سالانہ اجتماع کے موقع پر ناظم حلقہ سندھ بلوچستان جناب نسیم الدین صاحب نے سندھ کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے رفقاء کی ایک نشست کا اہتمام کیا تھا۔ جس میں یہ بات طے ہوئی تھی کہ ناظم حلقہ سندھ اپنے حلقے کا ایک عمومی دورہ کریں اور سندھ کے مختلف شہروں اور قصبات میں موجود ان منفرد رفقاء سے بالخصوص رابطہ کریں جو تاحال کسی اسرے کے نظم میں نہیں ہیں تاکہ وہاں مقامی اسروں کی تشکیل کے امکانات کا جائزہ لیا جائے' رفقاء کے مسائل سے واقفیت حاصل کی جائے اور تنظیم کے دعوتی پروگرام کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے مقامی حالات کا جائزہ بھی لیا جائے۔ تاریخ کا تعین بھی وہیں کر لیا گیا تھا۔ بعد میں رفقاء کو بذریعہ خط حتمی پروگرام کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ یہ دورہ یکم دسمبر سے ۹ دسمبر تک کے عرصے پر محیط تھا۔ ناظم حلقہ کے ساتھ معتمد حلقہ جناب عبدالرحمٰن ہنگورہ صاحب' معتمد تنظیم اسلامی شرقی نمبر ا کراچی جناب جلال الدین اکبر صاحب اور راقم الحروف شامل تھے۔ یہ چار رکنی قافلہ اللہ کا نام لے کر یکم دسمبر کی صبح کراچی سے حیدر آباد کے لئے روانہ ہوا۔

شہر سے باہر نکلنے سے پہلے سہراب گوٹھ کی مسجد میں دو رکعت نفل ادا کی گئی' اور ناظم حلقہ نے خشوع و خضوع کے ساتھ دعاء کی۔ ان کی آنکھ سے بہنے والے آنسو ان کے دل کی کیفیت کے ترجمان تھے۔ اے اللہ ہم تیری راہ میں تیرے دین کے لئے نکل رہے ہیں' لوگوں کے دل اس دعوت کے لئے کھول دے۔ ہماری سعی و جہد کو قبول فرما۔ اسے ہمارے لئے توشہ آخرت بنا دے۔ ہمارے سفر کو آسان فرمادے۔ اس راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر عطا فرما۔ اس سفر کو خیر کا سفر بنادے۔

حیدر آباد: گاڑی جلال الدین اکبر صاحب کی تھی اور وہی اسے چلا رہے تھے۔ ہم گیارہ بجے صبح حیدر آباد پہنچے۔ جناب عبدالقادر صاحب اور کچھ رفقاء ہمارے منتظر تھے۔ تنظیمی و تحریکی امور پر گفتگو ہوئی۔ تحریک خلافت کے تعارف کا پوسٹر جو ہم کراچی سے تیار کروا کے ساتھ لائے تھے' ۲۰۰ کی تعداد میں انہیں دیا گیا تاکہ نمایاں جگہ پر اسے چسپاں کیا جاسکے' نیز ان سے یہ بھی کہا گیا کہ کچھ پوسٹروں کو گتے پر چسپاں کر کے ان خاص خاص جگہوں پر آویزاں کیا جائے جہاں سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے' خصوصاً اہم دکانوں پر۔ ایک گھنٹہ قیام کے بعد میرپور خاص کے لئے روانگی ہوئی۔

میرپور خاص: ہمارا پہلا پڑاؤ میرپور خاص میں تھا۔ اس سے قبل جب دو روزہ پروگرام میرپور خاص میں رکھا گیا تھا تو اس وقت محسوس ہوا تھا کہ لوگوں کی طرف سے اچھا ردعمل سامنے آیا ہے اور وہ بات سننے کے لئے تیار ہیں۔ اسی کے پیش نظر تقریباً تین دن کا پروگرام اس طرح ترتیب دیا گیا تھا کہ ان دنوں میں لوگوں سے زیادہ سے زیادہ انفرادی ملاقاتوں میں دعوت کا کام کیا جائے اور تیسرے دن جمعہ کے خطاب میں اجتماعی طور پر دعوت ان کے سامنے رکھی جائے۔ ۲ گھنٹے کے سفر کے بعد ہم میرپور خاص پہنچے۔ مدینہ مسجد میں جہاں ہمارے رفیق جناب شیخ جابر صاحب منتظر تھے' ظہر کی نماز ادا کی گئی۔ شیخ جابر صاحب نے ہمارے قیام کا بندوبست اپنے دوست محمد شاہد صاحب کے ہاں کیا تھا۔ عصر کی نماز قیام گاہ کے قریب کی مسجد 'مسجد خضراء بخاری پاڑہ میں ادا کی گئی۔ مسجد کے متولی اور امام صاحب سے تعارف ہوا اور ہم نے حاضر ہونے کے مقاصد کو مختصراً بیان کیا۔ مغرب تا عشاء ایک نوجوان سے گفتگو رہی جو کبھی جماعت اسلامی سے وابستہ تھے۔ یہ گفتگو نماز عشاء تک جاری رہی۔ عشاء کے بعد انہی کے گھر پر جماعت اسلامی کے چند مقامی عہدیداران تشریف لائے۔ یہ ملاقات اگرچہ افہام و تفہیم کے لئے تھی مگر جیسا کہ عموماً ہوا کرتا ہے کہ گفتگو بحث میں تبدیل ہو جایا کرتی ہے' الحمدللہ کوئی نزاعی صورت تو پیدا نہ ہوئی' ایک دوسرے کا مطمح نظر خوب واضح ہو گیا۔ ہمارا مقصد بھی یہی تھا' قبول کرنا اور نہ کرنا خود انسان کی اپنی سوچ پر منحصر ہے۔

دوسرے دن صبح یعنی ۲ دسمبر کو نماز فجر کے بعد مسجد خضراء بخاری پاڑہ میں جناب عبدالرحمٰن ہنگورہ صاحب نے درس قرآن دیا۔ قرآن مجید کی تفہیم پر زور دیا اور اس کے نتیجہ میں برپا ہونے والی تبدیلی کا ذکر کیا۔ دوران درس ہی تبلیغی جماعت کے ایک پرجوش حامی نے مداخلت کی۔ ان سے کہا گیا کہ درس کے بعد آپ کے سوال کا جواب دیا جائے گا۔ درس کے بعد تو وہ پھٹ پڑے' ان کا کہنا تھا کہ تبلیغی جماعت کے بعد اب کسی جماعت کی ضرورت نہیں' جسے کام کرنا ہو وہ اس جماعت میں شامل ہو جائے' تفرقہ نہ ڈالے' صرف اس جماعت کو چھوڑ کر سبھی جماعتیں تفرقہ والی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ سامعین میں سے کچھ لوگ اس جارحانہ مداخلت پر چیں بہ جبیں ہوئے مگر ان کی بھاری بھرکم آواز اور پھر کسی کو نہ بولنے دینے کی عادت کی وجہ سے چپ رہے۔ ان کے جانے کے بعد کچھ لوگوں سے جو وہاں موجود تھے بامقصد گفتگو ہوئی اور انہوں نے ہمارے موقف کو تسلیم کیا اور تعاون کا وعدہ کیا۔ صبح دس بجے طے شدہ پروگرام کے مطابق گورنمنٹ کمپری ہنسو ہائر سیکنڈری اسکول پہنچے۔ نائب پرنسپل صاحب نے انٹرول کے درمیان اساتذہ کو جمع کیا جن کی تعداد چالیس کے لگ بھگ تھی۔ ناظم حلقہ نے اپنے دس منٹ کے خطاب میں انسان کے مقصد وجود اور

آخرت کی جواب دہی کے حوالے سے کرنے کے کام کی طرف متوجہ کیا۔ دعوت کا نام ہے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور کس چیز میں اللہ کی رضا ہے اس کی نشاندہی کرنا۔ تمام اساتذہ کے درمیان تحریک خلافت کے تعارف پر مشتمل دو دو رقہ تقسیم کیا گیا۔ اس کے فوراً بعد دارالعلوم دارالقاسمیہ پہنچے' وہاں کے پرنسپل صاحب کسی میٹنگ میں شرکت کے لئے گئے تھے۔ ہم وہاں اپنا تعارفی خط اور تحریک خلافت کے دو دو رقہ کی چند کاپیاں چھوڑ کر اپنے مستقر پر واپس آ گئے۔ بعد نماز عشاء شیخ جابر صاحب کے ایک دوست کے گھر پر ایک نشست کا اہتمام کیا گیا تھا جس میں ان کے تین دوست شریک ہوئے۔ ناظم حلقہ نے تنظیم کی دعوت اور تحریک خلافت کے حوالے سے اس کام کی اہمیت کو واضح کیا۔ ان کی تقریر بہت موثر تھی بعد میں تنظیم اور تحریک کے کام سے متعلق سوالات و جوابات بھی ہوئے۔

جمعہ ۳۔ دسمبر کو صبح ۱۰ بجے ایک مرتبہ پھر محمد سلیم صاحب اور قاسم صاحب سے ناظم حلقہ کی گفتگو ہوئی۔ خیال تھا کہ جمعہ کے خطاب کے لئے کسی مسجد کی انتظامیہ سے اجازت لی جائے۔ اول تو مساجد کے ائمہ نے اجازت نہیں دی' پھر امیر تنظیم اسلامی شرقی نمبر ۳ اور جنوبی کراچی جناب نوید احمد صاحب ٹرانسپورٹ کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے وقت پر نہ پہنچ سکے۔ اس طرح خطاب کا پروگرام نہ بن سکا۔ بعد نماز جمعہ اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب نوید احمد صاحب بھی اب ہمارے ہم سفر تھے۔ اب یہ پانچ رکنی قافلہ نواب شاہ کی سمت روانہ ہوا۔ مختلف شہروں سے گزرتے ہوئے عشاء سے قبل نواب شاہ پہنچے۔ ریلوے ریسٹ ہاؤس میں رات گزاری گئی۔ ۴/ دسمبر کو روانگی سے قبل راجہ محمد مسلم۔ آئی۔ او۔ ڈبلیو ملنے آئے' ہمارے مقاصد سے بھرپور اتفاق کیا انہیں ہینڈ بل اور پوسٹر دیئے گئے۔

صبح بعد نماز فجر سکھر کے لئے روانہ ہوئے۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت بہار دکھا رہے تھے' پرندے اپنی روزی کی تلاش میں سرگرداں تھے' دور جدید میں ہل کی جگہ ٹریکٹر آ گیا ہے یہ بار برداری کے کام بھی آتا ہے۔ یہ ٹریکٹر گنے کے بڑے بڑے گٹھڑوں سے لدے پھندے شوگر مل کی طرف رواں دواں تھے' عموماً ہر ٹریکٹر پر ٹیپ ریکارڈ بج رہا تھا اور گانوں کے بول فضا میں بکھر کر سننے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ شہر تو پہلے ہی اس سیلاب میں ڈوبا ہوا ہے دیہات کی صاف ستھری فضا بھی اب اس سے محفوظ نہیں۔ پہلے وی۔ سی۔ آر کا رونا روتے تھے اب تو ان بستیوں میں ڈش انٹینا نظر آتا ہے' خصوصیت سے ہوٹل والے اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے ڈش انٹینا کے ذریعہ برائی کو بھرپور طریقے سے پھیلا رہے ہیں۔ ہمیں ان ہوٹلوں میں جوان اور بچوں کی بھیڑ نظر آئی۔ ہماری کار تیزی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی' حد نگاہ تک پھیلی ہوئی سرسوں اپنے رب کی حمد میں مصروف تھی۔ ہمارے ایک رفیق کو خیال آیا کہ کیوں نہ ہم بھی وقت کو تبلیغ تعلیم میں صرف کریں اور جس مقصد کے لئے سفر کر رہے ہیں ان لمحات کو بھی بامقصد

بنالیں۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب تبلیغ دین سے ریاء اور اس کی تباہ کاریوں کو جناب نوید احمد صاحب نے پڑھ کر سنایا اور اس پر اپنے اپنے انداز میں گفتگو رہی اور خصوصیت سے ہر شخص نے اپنا جائزہ لیا کہ کہیں ہم تو اس موذی مرض میں مبتلا نہیں جو اس تمام سعی و جہد کو خاک میں نہ ملادے۔

کنڈ پارو: کنڈ پارو قریب آچکا تھا۔ اس بستی کے ایک علاقے کے مہتمم نے ہم سے کچھ کتابیں منگوائی تھیں اور اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا' ان کی تلاش میں کچھ وقت صرف ہوا اور اس بستی کی بعض اہم دینی شخصیات سے شرف نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا۔ وہ حضرات امیر تنظیم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے واقف تھے اور ان کے کام کو سراہ رہے تھے۔ ان کی لائبریری دیکھی' اس چھوٹی سی بستی میں اتنی عظیم لائبریری کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لائبریری میں تنظیم کی تمام کتابیں بھی موجود تھیں۔ ہم جہاں جہاں گئے وہاں امیر محترم کا تعارف موجود تھا۔ ہر جگہ الھدیٰ کا ذکر ہوا' اس کی یاد' اس کی پیاس ہر جگہ محسوس کی گئی۔ جناب عبدالقدیر صاحب کو کچھ پوسٹر اور کچھ ہینڈ بل دے کر اگلی منزل کی طرف روانگی ہوئی۔

سکھر: مغرب تک ہم سکھر پہنچ گئے' رفقائے سکھر نے بعد نماز عشاء ایک اجتماع کا بندوبست کیا تھا جس سے نوید احمد صاحب نے خطاب کرنا تھا۔ اس کے لئے رفقاء نے مخصوص افراد کو دعوت دی تھی۔ یہ اجتماع ریلوے کلب ہال میں منعقد ہوا۔ حاضری تقریباً ۹۰ تھی' جو لوگ تشریف لائے تھے وہ کسی نہ کسی حوالے سے ڈاکٹر صاحب سے واقف تھے۔ جناب نوید احمد نے ایک گھنٹہ خطاب کیا' آپ نے مسلمانوں کی زبوں حالی پر نظر ڈالی' اس کی وجوہات پر شرح و بسط سے گفتگو کی اور ہمارے کرنے کے کام کو لوگوں کے سامنے دعوتی انداز میں رکھا۔ اس طرح خلافت کے تعارف کے ساتھ تحریک خلافت کے مقاصد سے لوگ آگاہ ہوئے۔ کراچی جانے کے لئے چونکہ نوید احمد صاحب کو اسٹیشن جانا تھا اس لئے سوالات و جوابات کی نشست منعقد نہ ہوسکی۔ اس کمی کو بعد میں ناظم حلقہ نے پورا کیا۔ جناب نوید احمد صاحب کی تقریر بے حد پسند کی گئی۔ میں نے متعدد افراد سے ان کی تقریر پر رائے معلوم کی' سب نے اسے بہت سراہا۔ تقریر کے بعد منتظمین کی طرف سے عشائیہ کا بندوبست تھا۔ اس پروگرام کی خاص بات یہ تھی کہ اس کے جملہ انتظامات و اخراجات مقامی رفقاء نے خود کئے تھے۔ اگلے دن یعنی ۵ دسمبر ناظم حلقہ صبح ۱۰ بجے دفتر تنظیم پہنچے۔ اس دورہ کا مقصد رفقاء سے ملاقات اور حالات سے واقف ہونا تھا' اس لئے ہر رفیق سے ملاقات کی کوشش کی گئی۔ اس کے علاوہ ناظم حلقہ ایک رفیق کے والد سے ملنے ان کے گھر گئے اور انہیں بھی تنظیم

کی دعوت دی۔

عصر کے بعد رفقاء جمع ہوئے' پہلے تو ناظم حلقہ نے تحریک خلافت کے مقاصد کو بیان کیا' پھر رفقاء سے فرداً فرداً سوال کیا کہ اب آپ لوگ اس کو اپنی زبان میں بیان کریں۔ رفقاء نے اپنے طور کوشش۔ کی' اس پس منظر میں یہ تجویز آئی کہ مقاصد خلافت کو آسان سوال و جواب کی صورت میں مرتب کر دیا جائے تو رفقاء کو بیان کرنے میں آسانی ہو جائیگی اور وہ سوالات کے جوابات بھی اپنے طور پر دے سکیں گے۔ اس کے بعد ناظم حلقہ نے ۱۴ تا ۲۰ جنوری منعقد ہونے والے علاقائی اجتماع اور تربیت گاہ کے لئے رفقاء کو کراچی آنے کی دعوت دی۔ رفقاء نے پہنچنے کا وعدہ کیا۔ رفقاء سکھر کو ۵۰۰ پوسٹر دیئے گئے۔

جیکب آباد: ۶ دسمبر کو نماز فجر کے بعد جیکب آباد کے لئے روانگی ہوئی' نوید احمد صاحب کراچی جا چکے تھے' ان کی جگہ جناب غلام محمد سومرو صاحب ہم سفر تھے۔ روانگی سے قبل تنظیم کے رفیق جناب الطاف احمد صاحب کی بچی کے انتقال پر تعزیت کے لئے ان کے گھر گئے۔

جناب غلام نبی رند صاحب جنہوں نے جیکب آباد میں تنظیم کے کام کی ابتدا کی ہے بتایا کہ وفد کی آمد کے سلسلے میں حتمی تاریخ غلط فہمی کی نذر ہو گئی تھی اس لئے وہ رفقاء کو جمع نہ کر سکے۔ بہرحال فوراً ہی انہوں نے آس پاس اطلاع کروائی اور چند رفقاء جمع ہو گئے۔ انہوں نے بتایا کہ کراچی سے لائی ہوئی آڈیو کیسٹ وہ سناتے ہیں اور لوگ ذوق و شوق سے اس پروگرام میں شریک ہوتے ہیں' نیز وہ خود بھی روزانہ بعد نماز عشاء درس دیتے ہیں۔ درس کے بعد آپس میں سوال و جواب بھی ہوتا ہے ناظم حلقہ نے تنظیم کے طریقہ کار کی وضاحت کی' نیز کراچی میں منعقد ہونے والے علاقائی اجتماع اور تربیت گاہ میں شرکت کی بھرپور دعوت دی۔ رفقاء نے شرکت کا وعدہ کیا اور بعض احباب نے بیعت فارم پر کئے۔ دعا کے بعد ناشتہ سے فارغ ہو کر واپسی کے لئے روانگی ہوئی۔

شکارپور: کچھ عرصہ قبل اس شہر میں امیر محترم کے متعدد خطابات ہو چکے ہیں۔ ٹی وی کے ذریعہ سے تو وہ پہلے ہی متعارف تھے۔ اس پروگرام نے بھی لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ اب بھی لوگوں کی شدید خواہش ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کو سنیں۔ جناب اسرار احمد علوی صاحب' جناب تجمل حسین صاحب اور جناب امین اللہ علوی صاحب جو اس شہر کے معروف دانشوروں میں شمار ہوتے ہیں اور مقامی کالج میں پروفیسر ہیں' ان حضرات کی خواہش تھی کہ اگر اس پروگرام کا پہلے سے علم ہوتا تو دوسرے ساتھیوں کو مدعو کر کے جمع کر لیتے۔ اور ایک بھرپور نشست کا بندوبست ہو جاتا۔ ہمارے پروگرام میں رفقاء سے ملاقات اور کام کا جائزہ لینا تھا' آئندہ اس

پروگرام کو مزید وسعت دینا ہو گا۔ اور ہر شہر میں دو تین دن قیام کے بغیر کوئی نتیجہ خیز بات نہیں ہو سکتی۔ ظہر کی نماز وہیں ادا کی گئی اور ہمارا قافلہ آگے کی طرف چل پڑا۔

جندو ڈیرو گوٹھ: لاڑکانہ کے راستے میں جندو ڈیرو گوٹھ ہے' وہاں سے ایک دردمند دل رکھنے والے شخص نے ناظم حلقہ کو خط لکھا تھا جس میں اپنے درد و کرب کا اظہار کیا تھا کہ ان انتخابی نتائج نے ہماری امنگوں کا کس طرح خون کیا ہے' کیا ہم اب بھی اپنے طریقہ کار پر نظر ثانی نہیں کر سکتے؟ وہ طریقہ کار جس پر چل کر ۴۵ برس تک خوار ہوتے رہے ہیں کیا اس ذلت کی چادر اب بھی اوڑھی جائے؟ ایسا کرنے پر ہم کیوں مجبور ہیں؟ اب ہم اس راستے پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ ہمیں دوسرا راستہ اختیار کرنا ہو گا' وہ دوسرا راستہ جسے آپ انقلاب کا راستہ کہتے ہیں اس سے ہمیں بھی آگاہ کریں۔ ناظم حلقہ کو اس خط نے بہت تڑپایا تھا۔ وہ ملاقات کے لئے بے چین تھے۔ اس دورہ میں ملاقات کی صورت نکل آئی۔ اب ہم اس گوٹھ میں موجود تھے۔ اس گوٹھ نے جماعت اسلامی کو بڑے اچھے اچھے کارکن دیئے ہیں۔ مولانا جان محمد بھی اسی گوٹھ کے رہنے والے تھے جو سندھ میں مولانا مودودی مرحوم کے قائم مقام تھے بلکہ انہیں مودودی سندھ کہا جاتا تھا۔ جناب محمد موسیٰ بھٹو بھی اسی جگہ کے رہنے والے ہیں جو تصنیف و تالیف میں مصروف ہیں اور آپ نے سندھ میں ابھرنے والی سیکولرزم کی تحریک کو لگام دی ہے۔ سندھی لٹریچر میں اسلام کے خلاف جس قدر جارحانہ تحریریں آتی ہیں موصوف نے دلائل سے ان کا مسکت جواب دیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ گوٹھ اہمیت کا حامل ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس گوٹھ سے ہمیں بھی ایسے مردان کار ملیں گے جو سندھ میں ہراول دستہ ثابت ہوں گے۔ عصر کی نماز ادا کی گئی' اب ہمیں لاڑکانہ سے گزرتے ہوئے شاہ پنجو جانا تھا۔ لاڑکانہ میں ہمارا کوئی رفیق ہوتا تو ہم ضرور قیام کرتے۔ اس شہر میں امیر محترم نے ماضی میں تقریریں بھی کی ہیں اور پریس کانفرنس بھی۔ سندھ کے سیاسی حالات نے کسی سنجیدہ فکر کو یہاں جمنے نہ دیا۔ اب ہماری یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اپنے پروگرام میں اس شہر پر خصوصی توجہ دیں۔ ان شاء اللہ ہمیں یہاں سے ایسے ساتھی ضرور میسر آئیں گے جہاں سے کام کا آغاز ہو سکے گا۔

قبول پتونا: لاڑکانہ سے آگے نصیر آباد کے راستے میں قبول پتونا گاؤں ہے۔ یہاں ایک مدرسہ بھی ہے۔ اس کے مہتمم جناب قاری ہدایت اللہ صاحب کراچی میں ناظم حلقہ سے مل کر گئے تھے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ قاری صاحب کراچی گئے ہیں' لہٰذا ان سے ملاقات نہ ہو سکی' البتہ ان کے ایک شاگرد کو کچھ پوسٹر اور پمفلٹ اور ایک خط دیکر شاہ پنجو کے لئے روانہ ہو گئے۔

شاہ پنجو: یہ گاؤں ضلع دادو میں واقع ہے۔ جناب غلام محمد سومرو صاحب یہیں کے رہنے والے ہیں۔ اس گاؤں کے چار لڑکوں نے قرآن کالج سے بی اے کیا ہے۔ یہاں تنظیم کا مضبوط یونٹ ہونا چاہئے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس کی ایک وجہ جناب غلام محمد سومرو صاحب کا مسلسل باہر رہنا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ ماحول شرک و اوہام سے اٹا پڑا ہے، ذہنوں پر مزارات کا قبضہ ہے۔ یہاں ظہر کی نماز کے بعد اجتماع ہوا۔ جناب عبدالرحمٰن ہنگورہ صاحب نے سندھی زبان میں خطاب کیا، اور لوگوں کو خلافت اور اس کی برکات سے آگاہ کیا۔ احمد صادق سومرو صاحب نے بھی خطاب کیا۔ جناب ناظم حلقہ نے ۱۴ جنوری سے ہونے والے علاقائی اجتماع میں شرکت کی دعوت دی۔ یہاں دفتر کی ضرورت سبھی نے محسوس کی تاکہ ایک مرکز پر لوگ جمع ہو جایا کریں۔ دفتر کی جگہ پر اتفاق ہوا، جناب احمد فاروق سومرو صاحب جلد سے جلد جگہ حاصل کر کے دفتر بنائیں گے۔ اسرہ قائم کرنے کے لئے کسی رفیق کا ملتزم ہونا شرط ہے۔ ناظم حلقہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں کو جلد از جلد ملتزم بننا ہے اور اس کے لئے ہمارے یہاں تربیت گاہ میں شرکت، پابندی سے رپورٹوں کی ترسیل، اور کچھ منتخب کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ قبل اس کے کہ کوئی باقاعدہ اسرہ قائم کیا جائے عارضی بندوبست ضروری ہے۔ اس کے لئے جناب احمد صادق سومرو کو اس کا ذمہ دار بنایا گیا۔ جناب احمد صادق سومرو ہی دادو تک ہمارے ہم سفر رہے۔ نیز احباب کو جمع کرنے کا کام خود بہ نفس نفیس انہوں نے ہی کیا تھا۔

تھرڑی محبت: یہ جگہ شاہ پنجو سے تقریباً ۱۰ کلو میٹر پر واقع ہے۔ عصر کی نماز ہم نے وہاں ادا کی۔ بعد نماز مغرب جناب عبدالرحمٰن ہنگورہ صاحب نے فرائض دینی کے جامع تصور کی وضاحت کی اور خلافت کے حصول کے لئے طریقہ کار کی صراحت کی۔ یہاں سامعین نے ہماری بات بڑے غور سے سنی اور تعاون پر آمادہ ہوئے۔ بڑی خوشی کے ساتھ فارم پر کئے اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ ان میں اکثریت چانڈیو قبیلہ سے متعلق تھی۔ عشاء کے بعد ہم واپس اپنے مستقر پر پہنچے۔

خیرپور ناتھن شاہ: ۸ دسمبر کو بعد نماز فجر خیرپور ناتھن شاہ کے لئے روانگی ہوئی۔ یہاں بھی کچھ لوگ ہماری آمد کے منتظر تھے۔ ایک مسجد میں اجتماع ہوا۔ خلافت کی برکات اور اس کے نفاذ کے طریقہ کار پر گفتگو رہی۔ شرکت کرنے والے سبھی نے اس گفتگو سے اتفاق کیا، فارم بھرے اور تعاون کا یقین دلایا۔ جناب ڈاکٹر محمد اعظم صاحب چانڈیو اس یونٹ کے انچارج بنائے گئے۔

پھلجی اسٹیشن: دادو کے راستے میں مین روڈ سے ہٹ کر پھلجی اسٹیشن ہے۔ وہاں تنظیم کے

رفیق جناب ڈاکٹر علی خاں لغاری پریکٹس کرتے ہیں۔ گزشتہ دنوں وہ اکیڈمی آنے کے لئے کلفٹن کی مسجد میں پہنچے' جہاں انہیں انتظار کے لئے کہا گیا تھا' مگر ہمارے وہ رفیق انہیں پہچان نہ سکے جن کن انہیں لانے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا وہ انتظار کے بعد واپس چلے گئے تھے۔ ناظم حلقہ کو بہ نفس نفیس ان سے معذرت کرنی تھی۔ ملاقات کے بعد وضاحت پر ان کی شکایت دور ہو گئی۔

دادو: ظہر کی نماز دادو میں ادا کی گئی۔ عصر سے عشاء تک کا پروگرام اسی مسجد میں ہوا جہاں چند سال قبل امیر محترم نے درس دیا تھا۔ یہ لوکل بورڈ کی مسجد تھی۔ قریب ہی ہماری رہائش تھی۔ جناب غلام نبی ایڈووکیٹ صاحب جو جناب غلام محمد سومرو کے قریبی عزیز ہیں ان سے بھی بامقصد گفتگو رہی۔ انہوں نے وعدہ فرمایا کہ وہ بار ایسوسی ایشن میں قرارداد پاس کرائیں گے کہ ٹی وی پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا پروگرام' جو ماضی میں بند کر دیا گیا تھا' شروع کیا جائے۔ امیر محترم جب دادو تشریف لائے تھے تو یہیں قیام فرمایا تھا۔ نیز بار میں انہیں وکیل صاحب کے ذریعہ خطاب کا موقع ملا تھا جس کی یاد ابھی تک دلوں میں باقی ہے۔ اس کا بار بار ذکر بھی آیا۔ ایک عرصہ کے بعد پہلی مرتبہ حاضری تھی۔ ہماری توقع سے زیادہ لوگوں نے پذیرائی کی۔

گزشتہ سطور میں جن جن جگہوں کا ذکر ہوا ہے وہاں ہم نے پوسٹر اور دیگر لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے دیا۔ معمولی ترغیب پر لوگوں نے بیعت فارم اور تحریک خلافت کا فارم پر کیا اور تعاون کا یقین دلایا' اگرچہ ناظم حلقہ کا پروگرام فارم بھروانا نہیں تھا' صرف رفقاء سے ملاقات تھی۔ اس پورے دورے میں پندرہ بیعت فارم پر ہوئے اور تحریک خلافت کے ۲۲ فارم بھرے گئے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دورے کے اثرات کو زائل نہ ہونے دیا جائے۔ سال میں متعدد بار ان لوگوں سے رابطہ کیا جائے جن سے اس بار ملاقات ہوئی تھی' تاکہ مزید افراد اس تحریک کو مل سکیں اور لوگ یہ محسوس نہ کریں کہ یہ محض ایک وقتی مسئلہ تھا۔ بیج ڈالنے کے بعد نگرانی کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

دادو میں ایک رات قیام کے بعد ۹ دسمبر کی صبح کراچی کی طرف واپسی ہوئی۔ جام شورو سے گزرتے ہوئے ایک دیرینہ رفیق جناب انیس احمد صاحب کے گھر گئے' مگر ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ الحمدللہ سہ پہر تک کراچی پہنچ گئے۔ اس طرح یہ نوروزہ کا دورہ اختتام کو پہنچا۔ میں نے اس دورے کی تفصیلات سے اس لئے گریز کیا ہے کہ مضمون کی ضخامت بہت بڑھ جاتی ورنہ کہنے کو بہت ساری باتیں ہیں اور لکھنے کو بہت سارے پہلو ہیں۔ ان ۹ دنوں میں ہم نے تقریباً ۱۴۵۰ کلو میٹر کا سفر کیا۔ رخصت ہوتے وقت ناظم حلقہ نے ہدایت کی کہ آپ لوگ گھر پہنچ کر پہلے شکرانے کے دو رکعت نفل ادا کریں۔ نیز اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ خلوص و اخلاص عطا فرمائے' اس دورے میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں وہ اسے معاف کرے اور اس کو توشہ آخرت بنائے۔

دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام (فیروزوالہ)

(۱۶-۱۷/ دسمبر ۱۹۹۳ء)

تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے زیر اہتمام اس ہفتے کا دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام فیروزوالہ (ضلع شیخوپورہ) کے لئے تشکیل دیا گیا۔ اس پروگرام میں شرکت کرنے والے اکثر رفقاء حسب ہدایت بدھ ۱۵ دسمبر کو بعد نماز عشاء مرکز تنظیم اسلامی گڑھی شاہو پہنچ گئے اور رات وہیں بسر کی۔ محمد اشرف وصی صاحب کی امارت میں جمعرات ۱۶ دسمبر کو صبح آٹھ بجے مرکز سے روانہ ہو کر نو بجے کے قریب فیروزوالہ میں مسجد "الفرقان" پہنچ گئے۔ گڑھی شاہو سے براہ راست یہاں پہنچنے والے رفقاء کی تعداد سات تھی' جبکہ لاہور کے مختلف علاقوں سے مزید چھ رفقاء کچھ ہی دیر بعد پہنچ گئے۔ رفقاء کی آمد کی اطلاع پاکر مقامی رفیق نعیم اختر عدنان' جو اس مسجد کے خطیب بھی ہیں' تشریف لے آئے۔

تحیۃ المسجد کی ادائیگی کے بعد تربیتی پروگرام کی پہلی نشست ہوئی' جس میں اشرف وصی صاحب کی طرف سے رفقاء کے سامنے تنظیم کی فکر کو سمجھنے کے لئے مختلف سوالات رکھے گئے اور ان پر مذاکرہ ہوا۔ سوالات یہ تھے:۔

i) کسی معاشرے میں انقلابی فکر کیسے جنم لیتی ہے؟

ii) ایک انقلابی کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہئے؟

iii) اسلامی انقلاب کے لئے کام کرنے والوں میں کون سے اضافی اوصاف ہونے چاہئیں؟

iv) انقلابی جدوجہد کے مراحل کیا ہیں؟

مذاکرہ سے فارغ ہو کر انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے تنظیم کی دعوت لوگوں تک پہنچانے کے لئے گروپ تشکیل دیئے گئے اور انہیں مقامی ساتھیوں کی معیت میں روانہ کیا گیا۔ نماز ظہر سے قبل یہ تمام گروپ واپس مسجد پہنچ گئے۔ نماز ظہر اور کھانے سے فراغت کے بعد دوسری تربیتی نشست رکھی گئی۔

نماز عصر کے بعد مقامی رفیق اقبال حسین صاحب نے سورۃ الفتح کی آخری آیات کا درس دیا اور "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ....." کی رہنمائی میں اسلامی انقلابی جماعت کے رفقاء کے اوصاف بیان کئے۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن!

بعد ازاں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے حوالے سے باہمی مذاکرہ ہوا۔ یہ آج کی تیسری تربیتی نشست تھی۔

نماز مغرب کے بعد ڈاکٹر نجیب الرحمٰن صاحب نے درس قرآن دیا جس میں "راہ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں"..... اور ..... "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے مباحث پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی۔ درس قرآن کے بعد چوتھی تربیتی نشست ہوئی جس میں توسیع دعوت کے ضمن میں پیش آنے والی اندرونی اور بیرونی رکاوٹوں کا جائزہ لیا گیا۔ یہ پروگرام نماز عشاء تک جاری رہا۔

جمعہ ۱۷ دسمبر کو نماز فجر کے بعد مسجد میں ایک عمومی درس قرآن کا پروگرام پیش نظر تھا۔ لیکن چونکہ فجر کے بعد اس مسجد میں "فضائل اعمال" کی تعلیم کا معمول ہے اور ہماری طرف سے درس قرآن کا پیشگی اعلان بھی نہیں کیا گیا تھا' لہٰذا فضائل اعمال کی تعلیم کے بعد درس قرآن کا آغاز کیا گیا تو اہل محلہ اٹھ کر چلے گئے۔ درس قرآن کی ذمہ داری راقم الحروف نے ادا کی اور سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کی روشنی میں "عباد الرحمٰن" کے اوصاف بیان کئے۔ درس قرآن کے بعد رفیق مکرم نعیم اختر عدنان صاحب نے درس میں بیان کردہ اوصاف میں سے ایک اہم وصف "انفاق میں میانہ روی" کے بارے میں وضاحت چاہی' جس پر رفقاء کے مابین ایک طرح کے مذاکرے کی صورت پیدا ہو گئی اور اکثر رفقاء نے اس پر اظہار خیال کیا۔

ناشتہ کے بعد "دینی فرائض کا جامع تصور" کے موضوع پر مذاکرہ ہوا جس میں ہر رفیق کو مختصر خطاب کرنے کے لئے کہا گیا۔ یہ پروگرام قریباً ساڑھے دس بجے تک جاری رہا۔ بعد ازاں جمعہ کی تیاری کے لئے نصف گھنٹے کا وقفہ دیا گیا۔ گیارہ بجے سے بارہ بجے کے دوران مختلف گروپس کی صورت میں بازاروں میں گشت کیا گیا اور لوگوں سے ملاقاتیں کر کے انہیں تنظیم کا تعارف کرانے کے علاوہ آج کے خطاب جمعہ اور شام کی کارنر میٹنگ میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ بارہ بجے تمام گروپس مسجد الفرقان میں واپس گئے' جہاں بارہ بجے سے ایک بجے تک ایک تربیتی نشست رکھی گئی۔

ایک بج کر پانچ منٹ پر جناب نعیم اختر عدنان نے خطاب جمعہ کا آغاز کیا اور مختصر وقت میں بڑی جامعیت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ میر کارواں جناب محمد

اشرف وصی نے قریبی مسجد میں جمعہ کا خطاب فرمایا۔

کارنر میٹنگ کا پروگرام رچنا ٹاؤن کے کالج چوک میں بعد نماز عصر طے تھا۔ رفقاء نے نماز عصر قریبی مسجد بلال" میں ادا کی۔ مسجد کے امام و خطیب حافظ محمد صدیق نوری صاحب نے بڑی وسعتِ قلبی اور وسیع النظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ صرف مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر کارنر میٹنگ کا اعلان کرنے کی اجازت عنایت کی بلکہ نماز سے فارغ ہو کر تمام نمازیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ عظیم دینی سکالر' داعیٔ قرآن' عزت مآب جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھی' تنظیم اسلامی کے رفقاء دین کی خاطر چل کر ہمارے پاس آئے ہیں' اور "تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی" کی رو سے ان کی نصرت و اعانت ہمارا فرض ہے' لہٰذا تمام نمازی حضرات یہاں سے کارنر میٹنگ میں تشریف لے چلیں۔ اس مسجد میں اگرچہ معمول کے مطابق نماز عصر کے بعد دعوت اسلامی کی طرف سے "فیضانِ سنت" کی تعلیم کا پروگرام ہوتا ہے' لیکن حافظ صاحب کے کہنے پر اسے نماز مغرب کے بعد تک مؤخر کر دیا گیا اور حافظ صاحب تمام نمازیوں کو ہمراہ لے کر کارنر میٹنگ میں تشریف لے آئے۔

حافظ محمد صدیق نوری صاحب نے کارنر میٹنگ کی صدارت بھی فرمائی' قرآن حکیم کی تلاوت بھی کی اور ایک مقامی رفیق تنظیم کی فرمائش پر نعت شریف بھی پیش کی۔ کارنر میٹنگ سے جناب نعیم اختر عدنان اور محمد اشرف وصی صاحب نے خطاب کیا اور نظام خلافت کی برکات اور اس نظام کو قائم کرنے کا طریق کار پیش کیا۔ مغرب کی اذان کے ساتھ یہ پروگرام اختتام کو پہنچا۔ نماز مغرب کے بعد حافظ نوری صاحب نے مسجد سے باہر آ کر رفقاء تنظیم کو رخصت کیا۔

مسجد "الفرقان" واپس پہنچ کر ایک نشست میں اس دو روزہ پروگرام کے دوران اپنی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا اور اس ضمن میں ہونے والی کوتاہیوں اور خامیوں کو نوٹ کیا گیا۔ اس دوران فیروز والہ کی مذہبی فضا بھی زیر بحث آئی جس میں فرقہ واریت کا عنصر بہت کم ہے۔ یہ امر یقیناً نہایت قابل ستائش ہے اور اس میں ہمارے مقامی ساتھیوں کی کوششوں کا بھی خاصا دخل ہے۔

نماز عشاء کی باجماعت ادائیگی کے بعد رفقاء تنظیم کا قافلہ دعا کے ساتھ واپس روانہ ہوا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ○○ (مرتب: خالد محمود خضر)

ضرورت رشتہ

صوم و صلوٰۃ کی پابند دو باپردہ لڑکیوں' i) عمر ۲۶ سال' تعلیم انٹر میڈیٹ' ii) عمر ۲۴ سال' تعلیم میٹرک کے لئے دینی مزاج کے حامل خاندان سے رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ : عبدالرحمٰن ہنگورہ' دفتر مرکزی انجمن خدام القرآن سندھ' DM-55' درخشاں' ڈیفنس' فیز 6 'کراچی' فون 5854036

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

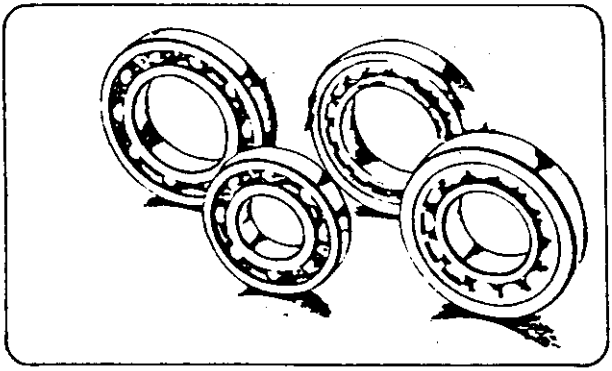

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734778

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65, Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

has been held inviolable and unamendable, is the dignity and freedom of the individual and his right to the enjoyment of fundamental rights which are guaranteed by the Indian Constitution. Obviously this is because Indian states' distinctive character is claimed to be that it is a secular and liberal democracy. Keeping in mind this approach, it may be noted that in communist and socialist States, their basic values, norms and principles are derived from communist and socialist philosophy respectively.

Therefore in such States no law can be passed which violates their respective basic philosophy. Same applies to the state of Israel which is based on the philosophy of Zionism. In contrast Pakistan is avowedly an Islamic democracy. This is borne out by the scheme of the Constitution as a whole even before insertion of Article 2 - A. For instance the constitution lays down that Pakistan is to be an Islamic Republic of Pakistan; Islam is to be its state religion; all its legislators including Prime Minister and his Cabinet members and Chief Ministers and their cabinet members can be disqualified under Article 62, 63 and 113, if they are not practicing Muslims, and all of them undertake to uphold the Ideology of Islam by their respective oaths under Schedule 3 of the Constitution. Furthermore its President and the Prime Minister must be Muslims. The constitution requires that all laws have to be brought in conformity with Islamic injunctions. Over and above all this the objectives resolution has been made a substantive part of the constitution by means of Article 2 - A.

In this background and context, the crucial question may now be posed is Article 2 - A amendable? to answer this question, we will have to examine in depth the history and significance of Article 2 - A. It may by somewhat taxing for the patience, but all the same it is necessary to distill truth from the tangled and confusing maze of facts.

(To be continued)

case it was held that parliament could not amend part III of the Indian Constitution that relates to fundamental rights. In Kasevanada's case it was held that the dignity and freedom of the individual was of supreme importance and could not by any form of amendment be destroyed.

The above noted Indian authorities were relied upon with approval in a number decisions by Pakistan's higher judiciary. Applying the principle of Indian authorities to Pakistan's circumstances, the Lahore High Court pronounced following enunciation in [14]Darvesh M. Arbey case: "The legislature in the circumstances cannot amend the constitution in any manner, so as to make it un-Islmic, Article 2, declaring Islam to be the state religion of Pakistan cannot be deleted by any amendment under Article 238". It was further held therein that "In view of the objectives resolution which is enshrined in every constitution framed in this country one after the other, the fetters are there on the part of the legislation by the Parliament". Interestingly enough this view was expressed before the Objectives Resolution had been incorporated as a substantive provision in the constitution. Similarly in [15]Jehangir Iqbal Khan's case it was held by Peshawar High Court that legislature could amend or modify any part of the Constitution short of complete abrogation of the fundamental of the Constitution. The Supreme Court of Pakistan has also adopted this line of reasoning as is evident from the following pronouncements of the Supreme Court in 16 Asma Jillani's case. "Our Grundnorms are derived from our Islamic faith". It was further stated therein "that the state of Pakistan was created in perpetuity based on Islamic Ideology and has to be run and governed on all the basic norms of that Ideology, unless the body politic of Pakistan as a whole, God forbid, is reconstituted on an un-Islamic pattern, which will of course mean total destruction of its original concept".

In India, we can see, the basic value or principle which

14 P.L.D. 1980 Lahore 206 at 263.

15 P.L.D. 1979 Peshawar 67

16 P.L.D. 1972 S.C 139 at 242.

Article 2 -A, has to be taken as the most fundamental and pre-eminent provision of Pakistan's Constitution. In the main I will rely on following five arguments which will be explained and elucidated ad seriatim.

1. Article 2 - A is not amendable therefore it cannot be put on the same level with other constitutional provisions like Article 45.
2. Article 2 - A, became a part of the constitution later than other provisions like Article 45, therefore it should have precedence over them.
3. Violation of Article 2 - A involves violation of oaths under Schedule 3 of the Constitution.
4. The impact of the principle in Heyden's case.
5. The subject matter of Article itself reveals ground of superiority. Article 2 - A is the only provision dealing with the question of authority, therefore it has been given very special status.

NON - AMENDABILITY OF ARTICLE 2 - A:

Every nation or organized human concourse has its own public philosophy, its own basic set of values and principles which serve as a foundation for a particular nation's identity and distinction. These elements represent the living spirit in an inanimate body, when the spirit is gone, what remains is a senseless junk. Recently the Supreme Court of India, bearing this in mind held in [12]Goalknath's case and in [13]Kasevananda V. Kerala case that constitutional provisions related to such principles and values cannot be subjected a amendment at all. Of course this conclusion was reenforced with purely formal argument also. According to this argument the dictionary meaning of the word "amend" includes and implies only minor changes which leave the overall character and basic structure intact. In Golaknath's

12 Golaknath case = A.I.R. 1967 S.C. 1943.

13 Kasevanada V. Kerala A.I.R. 1973 S.C. 146 = 1973 SCMR.9

Court, the Supreme Court of Pakistan has been explicity and specifically assigned by the constitution itself in Article 187 (1) the task of doing not only Justice, but complete Justice in any matter before it.

It stands to reason, therefore that responsibilities of higher judiciary should also be commensurate with the extraordinary privilege and power with which it has been endowed. It is vital also that the court should be fully alive to this aspect of the matter, while deciding issues similar to those involved in Hakim Khan's case. In this context a remark by [11]George Mason comes to mind, which he made at the Federal Convention for American Constitution on 21st June, 1787. Justifying the powers of the judiciary he said, "Judges are in the habit of considering laws in their true principles behind the law and all consequences should always be the abiding concern of the judges. They should realise that formula adopted in Hakim Khan's case heads to consequences which can be tolerated if at all only under extreme compulsion of necessity when no other course whatsoever is at all only under extreme compulsion of necessity when no other course whatsoever is at all available. The court should not become a party to process which might in all probability perpetuate a situation of confusion, deadlock, and suspense of doubtful legality. The muddle is aggravated still further when we find for reasons to be explained later in the article a provision like Article 2 - A cannot be amended at all.

The aim of the discussion upto this stage has been to demonstrate that if we go by the assumption made by the Supreme Court that Article 2 - A is equal in weight and status to other constitutional provisions, we are led to consequences that are either absurd or totally unacceptable. Now I will take the positive side of my argument. Henceforth my endeavour would be to establish by strict legal principles and recognised canons of interpretation that

---

11 Record of Federalist Convention ed: Farrand page 73.

vote of the other house can kill the amendment.

For us, due to similarity of relevant constitutional features American experience is more instructive and germane. It has been said there by experts of American Constitutional History that there is "no judicial decision apart from the utterly unacceptable that cannot find small minority able to block most attempts at amendment. Without War and the rigours of reconstruction [10]Dred Scot case would never have been over-turned by amendment". It has been further noted by them that "It took only a small minority, for example, repeatedly to defeat all attempts to overturn judicial support for child labour by constitutional amendment". Thus the national will can be reversed by the court, and the reversal can be kept in force simply by small sympathetic minority. It can be seen that the judiciary has quite extra ordinary privilege and power in a situation like this. Amazingly enough when the Supreme Court has delivered its final judgment on a constitutional question even a considerable majority of the national will is quite powerless to reverse the effects of such a judgment. But only a few judges of the Supreme Court itself can achieve the same required result merely by reversing their earlier judgment. Undoubtedly this situation is parallel to American constitution. Observing this unusual status of the Supreme Court American constitutional experts have expressed the following view "We say that the congress makes the law and the President enforces it. Yet the people allow nine men - indeed, five out of nine - to say that a law passed by the congress and the President is no law, and nobody needs to obey it ...... While inferior courts must be courts of law the highest of all should be court of justice .... A court of justice must say, "this is just, and if it cannot do so because of the law, it must strike down the law". Here it is important to observe that our Supreme Court has been entrusted with vaster powers. In contra distinction to American Supreme

---

10 Dred Scott. V. Sandford. 19 Howard 393 (1857). 451.

lawful exercise of authority. But it was held in Entech Vs. Carrington, the exercise of the Government authority effecting individual interest must rest on legitimate foundation. If this is not done, there will be a progressive trend towards the exercise of arbitrary powers and erosion of general confidence in law.

Let us probe still further the implications of the Supreme Court verdict. In order to negotiate the matter involved in Hakim Khan's case, it has applied a convenient formula. It has left the real issue which is basic to the decision of the case and is undoubtedly of fundamental constitutional importance in an unsettled state of deadlock, and passed the buck to the parliament. It has done so with the pious hope that some day, in the interest of justice and legality, the parliament will come to the aid of the aggrieved citizen. But the snag here is that parliament is not bound to follow the recommendations of the Supreme Court nor is there any guarantee when and if ever the parliament will fulfil the remedial role expected of it in this behalf by the Supreme Court.

Further, in Pakistan even for parliament the matter is not so simple and straightforward. It is different in a country like England where parliament is not controlled by any written constitution. For instance, the British Parliament can amend, annul or repeal extremely fundamental legislations like the Bill of Rights with the same case as is involved in case of very ordinary legislations like Prevention of Damage by Pests Act, because same simple procedure is applicable to both of them. However, it is a different ball game in Pakistan where we have written constitution, laying down a special and rigid procedure for the amendment of the constitution. Here in order to pass an amendment in the constitution, two third majority of each house of parliament separately is required under Article 239. This means that even if the entire voting strength of one house were to vote in favour of the amendment just one third plus one more

If the court interferes it would automatically mean giving ascendancy to Article 2 - A and refusing effect to Article 45. On the other hand if it refuses to interfere that would similarly mean giving ascendancy to Article 45 and refusing effect to Article 2 - A. There is no escape. The issue cannot be dodged. It is a semantic impossibility. In this either / or situation the court confronts a classic case of Hobson's choice.

leaving the matter for the parliament and taking none-of-court's business attitude is, therefore, hardly a genuine solution. Non-action in a case like this, has all the positive attributes and features of action. What is more questionable, is that a situation of doubtful legality is allowed to continue which might well perpetuate itself. In the meantime, the question might legitimately be asked what happens to the poor aggrieved citizen who has been dished out solemn guarantees in Article 4 of the Constitution that he has the inalienable right to enjoy the protection of law and to be treated according to law? Similarly his rights under Article 25 are trampled. Furthermore consistency would demand that on subsequent occasions also whenever action under Article 45 is challenged on the basis of Article 2 - A the court should return similar verdict as in Hakim Khan's case, otherwise the decisions of the court would become so arbitrary that they would not be justifiable on the baiss of any reasonable explanation or principle. The result is that Article 2 - A would stand struck down viz a viz Article 45 as consistent denial of effect to a particular provision by courts is indistinguishable for all practical purposes from its being struck down. It was held in [9]Aziz A. Sheikh case giving effect should mean enforceability through court. As such when enforceability through courts is absent then for all intents and purposes the contents of such a provision are stripped of any existence in any practical sense. In a situation like this, the constitution is removed as a frame of reference for the

---

9 P.L.J. 1989 S.C. 549.

Council of Islamic Ideology under Article 230.

The second consequence of parity assumption regarding constitutional provisions is to say the lest rather paralysing and enigmatic. This follows from the fact that whenever there is a situation of repugnancy, the court gets tangled up in circumstances where it is impossible for it, to take any satisfactory decision. Following analysis will make this clear. For example, if two constitutional provisions are repugnant but absolutely equal in all respects, then by logical inference, no doubt it is the intention of the constitution itself that any one provision may not be preferred over the other. If on the other hand, the constitution had intended, preference for any one provision then the relevant provisions would not be equal. This is because preference between equals can only be arbitrary. In these circumstances the Supreme Court was quite right in holding that since the court was itself the creature of the constitution, therefore it had to follow the constitution faithfully working under it, rather than against it by striking down or otherwise effecting any constitutional provision arbitrarily. this I must say is rigorously correct position in law, and the principle that underlies this attitude is perfectly sound.

But it so happens that the court is stuck in a muddle here and it cannot avoid what it sincerely wants to avoid affecting constitutional provisions arbitrarily. This is due to the inexorable logic of the repugnancy situation. To illustrate this let us take the relevant two repugnant provisions Article 45 and Article 2 - A. We know that Article 45 empowers the President of Pakistan to do certain things. Now, as long as Article 45 is a part of the constitution, in the absence of any legal bar or binding judicial precedent to prevent the President, he can legitimately go on taking action under Article 45 and thus effect the rights of different citizens both favourable and unfavourably. Whenever such an action of the President is challenged, the court has choice between two possibilities only. It can interfere or refuse to interfere.

explicitly stated to be merely declaratory (vide Article 30) having no force of law. Similarly Islamic provisions of Part IX can only be giver effect to through advisory jurisdiction of Council of Islamic Ideology vide Article 227 (2). In other words these provisions are also merely declaratory. In contradistinction to this, in case of Article 2 - A, the constitution - makers have taken extraordinary and abundant care to state that this provision shall be given effect to. There is in fact a simple proposition which is more to the point and helpful in a situation like this. According to this proposition, whenever two or more provisions overlap or cover the same ground with the same purpose and object in mind (bringing laws in conformity with Islamic injunctions in the present case), the presumption of law is that the latest provision must have intended some improvement. The improvement can be widening of the purview and scope of action or introduction of more effective provision than the previous ones. If any such improvement can in fact be discovered then it would, without any doubt represent the will and intention of the law maker. In the present reference Article 2A does both these things. It widens the scope of Islamisation which was previously limited to the jurisdiction under Article 203 D read with Article 203 B(c) to include within its scope mattes excluded from it by Article 203 B(c), and it makes Article 227 more effective by replacing the recommendatory and advisory procedure contemplated by Article 227(2) read with Article 230, with effective adjudicatory procedure.

The practical effect of this interpretation could be that the bars contained in Article 227(2) and in Article 203 B(c) would melt away. The net effect would be that the jurisdiction of Federal Shariat Court would remain confined to matter indicated in Article 203 B(c) but after insertion of Article 2 - A matters excluded by Article 203 B (c) would now fall under the ordinary jurisdiction of the court under Article 2 - A. At the same time no interference will be caused to the advisory and recommendatory jurisdiction of

except those relating to constitution, Muslim personal law / procedural law, fall within the exclusive jurisdiction of Federal Shariat Court. Whatever is excluded by Article 203 B(c) is entirely covered by Article 227 and in this field all matters are in the exclusive jurisdiction of Council of Islamic Ideology contemplated by Article 230. That all these matters are in the exclusive jurisdiction of the council of Islamic Ideology is ensured by word "only" occurring in Article 227(2) of the Constitution. Due to explicit bars of jurisdiction, contained in Article 203 G read with Article 203 B(c) and Article 227(2) nothing is left over to which Article 2 - A can have relevance or applicability. Clearly in this view of the matter, Article 2 - A is reduced to the level of principles of policy or Islamic provisions of Chapter IX of the Constitution, because all of them are substantive provisions of the Constitution and all are equally unenforceable. In these circumstances one might ask what can be the meaning of the insertion of Article 2 - A in the Constitution? In fact, the act of insertion would look like a practical joke. Particularly, when we keep in mind that the Constitution had to be amended for this purpose which due to rigidity of procedure requires quite extraordinary effort. Such an effort would have to be described as a costly much-ado-ablut-nothing an exercise in futility, a sound and fury signifying nothing, or just an outburst of pious but meaningless sentimentality. Another question that arises is why put the contents of the objectives resolution in the substantive part of the constitution if it is to be merely declaratory, when they are already there and retained in the preamble of the constitution also? This would be merely duplication without having justification or purpose or sense.

Plainly this view of the matter is totally unacceptable. It is reductio at absurdum. Most of all, one must bear in mind the extraordinary contrast in the way provisions of Article 2 - A on the one hand and provisions of principles of policy and provisions of part IX have been drafted. The principles of policy and Islamic provisions contained in part IX have been

matter, for the present purposes this aspect of the matter is beside the point. The Supreme Court assuming the repugnancy to exist, held that whenever, tow constitutional provisions are found to be repugnant, the court's duty is to read the constitution as a whole, and try to hormonise these provisions, if possible according to well known canons of interpretation. If this is found impossible, the court itself, being a creature of the consitution is helpless. All constitutional provisions must be taken as equal in weight and status unless the constitution itself indicates that some provision is to be preferred over others. Where there is no such indication all that the court can do is to draw the attention of the parliament to the matter, who can then resolve the conflict through suitable amendment in the constitution.

The central hypothesis that unlerlies the verdict of the Supreme Court in Hakim Knan's case is that all constitutional provisions are of equal weight and status, and if they conflict inter se, the court cannot touch any of them. The question arises, is this posture of strict neutrality between provisions possible? Would it not lead to consequences that are absurd and unacceptable? Let us see what happens when such a posture is adopted with reference to Article 2 - A. Immediately the first consequence is that the Article 2 - A is reduced to the level of principles of policy in the constitution provisions of part IX of the constitution. This fact is recognised by judgment of Supreme Court in Hakim Khan's case.

The aim and purport of Article 2 - A is to ensure that all laws must be implemented in such a way that they are brought in conformity with the injunctions of Islam, as they must be confined within the limits prescribed by Allah. However, in actual fact we find that the field in which Article 2 - A is to operate is already fully occupied by pre-existing provisions. For the purpose of testing on the touchstone of Islamic injunctions, according to Article 203 B(c) all laws

in the context of one country, that has ever taken place in Islamic history. "Ijma", we must remember is the third source of Islamic Law. Therefore Objectives Resolution has inherent legal sanction of its own that is embedded in Islamic Shariah. This aspect of the Objectives Resolution is highly significant and can be lost sight of only at the peril of falling in serious error and misconception.

This is the background in which Article 2 - A was inserted into the constitution. The idea obviously was to make the Objectives Resolution a substantive part of the constitution also, and thus remove the technical shortcoming pointed out in the Zia-ur-Rehman case. Even in the case under discussion, that is Hakim Khan's case, the Supreme Court has expounded the proposition that the observations of Supreme Court in Zia-ur-Rehman's case are open to different interpretations. One of the intepretations according to Supreme Court view is that, "[8]In case the Objectives Resolution got incorporated in the constitution and became its substantive part, it, then could control the other provisions of the constitution. "In my submissions to be presented hereinafter it will be my humble endeavour to establish that considering the peculiar circumstances of the adoption of the Objectives Resolution as a substantive provision of the constitution, and history of Pakistan struggle and peculiarities of its constitutional evolution, this in fact is the only possible interpretation which any reasonable person can adopt.

This is the backdrop and factual setting which is integrally related to the issues involved in Hakim Khan's case. In that case the President of Pakistan had exercised his powers of pardon, commutation of sentence etc. under Article 45 of the Constitution, which was challenged on the ground of repugnancy to Article 2 - A. The court did not go into the question whether the supposed repugnancy actually existed. Although much can be said on this aspect of the

8 Hakim Khan case P.L.D. 1992 S.C. at 622 last line and at 612 first seven lines.

Supreme Court came to the view that the objectives resolution had been made a part of the preamble only, which is not a substantive part of the constitution. The Supreme Court held therein that, "Constitution consists of the substantive provisions thereof and it cannot be controlled by its preamble or even the objectives resolution if any, adopted by the people". In other words despite tremendous importance of the objectives resolution for the polity of Pakistan, on the narrow technical considerations, it was found legally unenforceable.

Later on, in Nusrat Bhutto case, the Supreme Court once again emphasised the vital significance of the objectives resolution as a meta-legal fact, notwithstanding its opinion in Zia-ur-Rehamn case. The opinion of the court as per Mr. Justice Malik Muhammad Akram was "[7]Moreover as observed by my Lord, the Chief Justice, ours in an ideological state of the Islamic Republic of Pakistan. Its ideology is firmly rooted in the objectives resolution with emphasis on Islamic laws and concept of morality".

The entire presentation given above constitutes an incontrovertible evidence of the fact that regarding the objectives resolution there is a complete and impressive consensus that it represents the commitment of the nation about certain ideals, goals and aspirations which must be given practical institutionalised shape in the state of Pakistan. Objectives Resolution was articulated and adopted with consensus by a representative body set up for the solemn task of giving a constitution to the country. The leading figures of the Pakistan Movement and prominent Ulema were there to take part in its adoption. Ulema of every sect have always endorsed it. Judiciary and the legal community has also consistently recognized its fundamental and pre-eminent status there, it can be said with full assurance that the Objectives Resolution represents the most complete and consistent "Ijma", of the Islamic Ummah

7 Nusrat Bhutto case, P.L.D.1977 S.C. 657 at 733.

of Pakistan as a whole, God forbid is reconstituted on an un-Islamic pattern, which will, of course, mean total destruction of its original concept. The Objectives Resolution is not just a conventional preface. It embodies the spirit and the fundamental norms of the Constitutional Concept of Pakistan". In the same case Chief Justice Hamood-ur-Rehman in his leading judgment gave vent to following observations, "[5]In any event, if a grund-norm is necessary for us I do not have to look to the Western legal theorists to discover one. Our grund-norm is enshrined in our own doctrine that the legal sovereignty over entire universe belongs to Almighty Allah alone and the authority exercisable by the people within limits prescribed by him is a sacred trust. This is an immutable and unalterable norm which was clearly accepted in the Objectives Resolution passed by the Constituent Assembly of Pakistan on the 7th of March, 1949. This resolution has been described as the corner stone of Pakistan's legal edifice and recognized even by the learned Attorney General himself as "The bond which binds the nation" and as the document from which the Constitution of Pakistan must draw its inspiration. This has not been abrogated by any one so far, nor has this been departed or deviated from by any regime military or civil."

Apparently somewhat discordant note from generally and consistently accepted view was struck in Zia-ur-Rehman's case. The leading judgment in this case was also written by Chief Justice Mr. Justice Hamood-ur-Rehman. This in itself is a pointer to the fact that a remarkable difference of opinion from that in Asima Jillani case quoted in extenso above does not represent a change of opinion. The difference arises due to the fact that the court was required by the facts of the case to focus, for the first time, on the technical aspect of the objectives resolution regarding its constitutional status. In [6]Zia-ur-Rehman case the

5 Asima Jillani Case P.L.D 1972 S.C. 139 at 176.

6 Ziaur Rehman's case

Islam. In other words there existed a general consensus that Pakistan from its very inception was established as ideological or Islamic state and not as a secular state in which Muslims pre-dominated. It was in this background that Objectives Resolution 1949 was passed and thereafter in 1953 Pakistan was declared an Islamic Republic. The Grund-norm of Pakistan is enshrined in the objectives resolution which clearly says among other things that Muslims in Pakistan would be enabled individually and collectively to order their lives in accordance with teachings and requirements of Islam as set out in Quran and Sunnah. The principles contained in the Objectives Resolution have not been abrogated by any one so far, nor have they been departed or deviated from by any regime military or civil. In this context it may be noted that the preambles of three Constitutions of Pakistan (1956, 1962, 1973) incorporated the contents of the objectives resolution in one form or the other and in each case it was also laid down as principles of policy that no law should be enacted which was repugnant to the injunctions of Islam, and the existing law should be brought in conformity with such Injunctions. But such provisions were not made justiceable".

Let us see now what view the Supreme Court has delivered on this question in its judicial and authoritative capacity. In this respect Asima Jillani case is well known and truly celebrated. In that case, following view was expressed by Sajjad Ahmad Jan, J. "[4]Our Grund-norms are derived from our Islamic faith, which is not merely a religion but a way of life. These Grund-norms are unchangeable and are inseparable from our polity. These are epetomised in the Objectives Resolution passed by Constituent Assembly of Pakistan on 7.3. 1949". He further went on to say in his judgment, "the State of Pakistan was created in perpetuity based on Islamic ideology, and has to be run or governed on all the basic norms of that ideology, unless the body politic

4 Asima Jillani Case. P.L.D. 1972. S.C. 139 at 242.

19th march, 1944, while addressing meeting of Punjab Muslim Students Federation, Quaid-i-Azam said "Islam is our guide and complete code of our life. We do not want any ism, secularism, communism or national socialism". On 13th January, 1948, Quaid-i-Azam made following statement, "We did not demand Pakistan to secure a piece of land. Instead, we want a laboratory where we should be able to test the principles of Islam".

Quaid-i-Milat Liaqat Ali Khan, while delivering a speech in Chicago uttered following words" The principles I have stated are a part and parcel of Islam and we say that we want to follow Islamic way of life what we mean is that we could not possible do otherwise. These are the principles that are embodied in the concept of Pakistan when we fought for it". Then at the historic moment when the Objectives Resolution was adopted Liaqat Ali Khan addressed the following words to the First Constituent Assembly of Pakistan. "Sir, I consider it to be the most important occasion in the life of this nation, next in importance only to the achievement of independence". He, then asserted that the basis and purpose of Pakistan was to implement traditions and teachings of Islam. He went on to say in the same speech, "I would like to remind the house that the founding Father of the nation, Quaid-i-Azam gave expression to his feelings on the matter; and his vies were endorsed by the nation in unmistakable terms". Thus it may be seen that words reproduced above bear testimony not only to the view of Quaid-Milat Liaqat Ali Khan but indirectly on his authority to the view of Quaid-i-Azam also.

For further elucidation of the significance of the Objectives Resolution and a comprehensive survey of its genesis and subsequent history, I will now quote at length from an article by Justice (Retd) Dr. Javaid Iqbal "[3]Pakistan was established as a national homeland for the Muslims. In the eyes of the masses it had been created on the basis of

3 Justice (Retd) Javaid Iqbal "Islamisation in Pakistan". P.I..D.1984. Journal. 65.

and eminently belongs to our higher judiciary.

In the context stated above the objectives resolution is in fact, the central theme. As such, it is crucial to have perfect grasp of the exact significance and historical perspective of this Resolution. This is necessary in order to determine with precision what was purported to be achieved by this Resolution, what technical and other problems effected its implementation and what is its present status after the evolutionary process it has undergone. For the purpose in hand we can do no better that to present the views of those who are most entitled to speak with authority on the subject.

First of all, let us advert to the view of the founding fathers of the Nation. In December, 1943 at Karachi Session of All India Muslim League where Quaid-i-Azam was presiding, Bahadar yar Jang addressed following words" [2]The achievement of Pakistan will not be so difficult. Your Quaid-i-Azam has proclaimed more than once that Muslims have no right to frame constitution and law of any one of their states. The law governing the Constitution of Muslims are definitely laid down in the Holy Quran. There is no denying the fact that we want Pakistan for the quaranic system of the Government". In August, 1941 while addressing the students of Osmania University, Hyderabad, Quaid-i-Azam made following classic statement. "The concept of an Islamic government which should always be kept in mind is that in it one has to obey Almighty Allah faithfully. This obedience is through the injunctions and principles of the Holy Quran. In Islam the sovereign powers are not vested in a king or a parliament or any particular person or constitution. The injunctions of the Holy Quran have prescribed the limits of the political and social life. In other words, Islamic government is the rule of the Quaranic injunctions and principles. For the establishment of such government, a separate country or a state is a must". On

2 Speeches and Writings of Mr. Jinnah by Jamil-ud-Din Ahmad.

THE ROLE OF JUDICIARY AND THE OBJECTIVES RESOLUTION

By Sardar Sher Alam Khan, Advocate, Lahore

What is the role of judiciary and scope of judicial function in a federal state where judiciary is also the bulwark, guardian and expositor of the Constitution? What is the status and significance of the objectives resolution, particularly, now, when as Article 2 - A. it is substantive part of the Constitution? Does it contain the Grund-norms of Pakistan which are immutable and unalterable and which define and give distinctive character to the fundamentals of Pakistan's society and State? Or alternatively is the objectives resolution just a decorative piece, a mere declaration of ideals that in actual practice and legal reality lacks adequate enforceability even after the insertion of Article 2 - A in the Constitution? Furthermore is Article 2 - A as a constitutional provision, equal in weight and status to other constitutional provisions, or does it have highest weight and status due to manifestly higher significance of its contents? There are, as no one can deny, extremely vital questions going to the roots of our being as a nation and a State. It so happens that all these questions have been brought in a remarkable sharp and vivid focus by a recent judgment of Supreme Court of Pakistan in a case titled [1]Hakim Khan Vs. The Government of Pakistan. In view of the seminal and pivotal importance of the matters involved from the national point of view, I have been unable to restrain my reaction. In what follows I am offering a comment on the above mentioned judgment. I am doing so with all humility and sobriety of purpose, remaining fully alive and conscious of the dignity and respect that rightfully

1 PLJ 1992 S.C. 591.

قارئین نوٹ فرمالیں!

کاغذ کی قیمت اور طباعتی اخراجات میں مسلسل اضافے کے باعث
جنوری ۱۹۹۴ء سے ماہنامہ "میثاق" کے سالانہ زرتعاون اور فی شمارہ قیمت
میں اضافہ کیا جارہا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

اندرون پاکستان

قیمت فی شمارہ -/۷ روپے' سالانہ زرتعاون -/۷۰ روپے

بیرون پاکستان

بیرون پاکستان کے ڈاک خرچ میں یکلخت بے پناہ اضافے کے باعث آئندہ نرخنامہ یہ ہوگا :

☆ برائے سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر	۴۵ سعودی ریال یا
متحدہ عرب امارات اور بھارت	۱۲ امریکی ڈالر
☆ برائے یورپ' افریقہ' سکنڈے نیوین ممالک اور جاپان وغیرہ	۱۶ امریکی ڈالر
☆ شمالی وجنوبی امریکہ' آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ وغیرہ	۲۰ امریکی ڈالر
☆ ایران' عراق' اومان' مسقط' ترکی' شام	
اردن' بنگلہ دیش' مصر	۹ امریکی ڈالر

مینیجر سرکولیشن' ماہنامہ میثاق' ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن' لاہور

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REG NO. L 7360
VOL.43 NO.1
JAN.19994

پاکستان کا سب سے زیادہ فروخت ہونے والا

جوہر جوشاندہ

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی خراش کا مؤثر علاج

صدیوں سے آزمودہ جوشاندہ
اب فوری حل ہونے والے انسٹنٹ
جوہر جوشاندہ کی شکل میں۔
ترکیب استعمال: ایک کپ گرم
پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوہر جوشاندہ ملائیں
اور جوشاندہ تیار۔
دن میں دو یا تین پیکٹ
جوہر جوشاندہ
استعمال کریں۔

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت

آسان استعمال
مؤثر علاج

Interflow